

ماہنامہ

گوجرانوالہ

السريعة

تاریخ

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب

زیر ادارت

ابوعمار زاہد الراشدی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ
خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً
فِي بِلَادِ اللَّهِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

(مسکوٰۃ کتاب الحدود)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

کہ جناب رسالت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا جاری کرنا خدا کے تمام

شہروں پر چالیس رات تک بارش برسنے سے بہتر ہے

(الحديث)

اجتہاد اور اس کی اہلیت

”اصل معنی اجتہاد آنست کہ جملہ عظیمہ از احکام فقہ دانستہ باشد بادلہ تفصیلیہ از کتاب و سنت و اجماع و قیاس و ہر حکمے را منوط بدلیل او شناختہ باشد وطن قوی بہماست دلیل حاصل کردہ پس دریں زمانہ مجتہد نمی تواند شد مگر کسیکہ جمع کردہ باشد بیچ علم را علم کتاب قرآن و تفسیر و علم سنت با سانیہ آں و معرفت صحیح و ضعیف دران و علم اقاویل سلف در مسائل تا از اجماع تجاوز نہ نماید و نزدیک اختلاف علی قولین قول ثالث اختیار نکند و علم عربیت از لغت و نحو و غیر آں و علم طرق استنباط و وجوہ تطبیق بین المختلفین بعد از اں اعمال فکر کند در مسائل جزئیہ و ہر حکمے را منوط بدلیل او بشناسد“

(ازالۃ الخفاء ص ۳)

ترجمہ: اور اجتہاد کا اصل معنی یہ ہے کہ مجتہد فقہی احکام کے ایک بڑے حصے کو قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جانتا ہو۔ ہر حکم کو اسکی دلیل کے مطابق پہچانتا ہو اور اس دلیل کے ساتھ وطن قوی حاصل کر چکا ہو۔ پس آج کے زمانہ میں مجتہد نہیں بن سکتا مگر وہ شخص جو پانچ علوم حاصل کر چکا ہو۔ ۱۔ قرآن کریم کا علم قرأت و تفسیر کے ساتھ، ۲۔ سنت رسول کا علم اسناد کے ساتھ اور اس میں صحیح و ضعیف کی پہچان کے ساتھ، ۳۔ سلف صالحین کے اقوال کا علم، تاکہ کسی مسئلہ میں، اجماع سے تجاوز نہ کر جائے اور دو اقوال کے اختلاف کے وقت تیسرے قول اختیار نہ کرے، ۴۔ عربی زبان کا لغت، نحو اور دیگر ضروریات کے ساتھ علم، ۵۔ احکام کے استنباط کے طریقوں اور مختلف اقوال کے درمیان تطبیق کا علم۔ (ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد مجتہد، اپنے فکر کو مسائل جزئیہ میں عمل میں لائے اور ہر حکم کو اسکی دلیل کے مطابق پہچانے۔



جلد ۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء نمبر ۱

سویزے
تجاویز: محمد سرفراز خان صفحہ

مدیر
ادوار: زاہد الراشدی

معاونین: ...
ڈاکٹر نور محمد غفاری
پروفیسر غلام رسول بیگم
حافظ مقصود احمد امیہ
حافظ عبید اللہ عابد
حافظ محمد عمار حسن پاپر

بذال اشتراك
اردو ہفت روزہ - سالانہ ۱۰۰ روپے
اس کی ملک سالانہ پندرہ ڈالر
یورپی ملک سالانہ دس روپے
سعودی عرب سالانہ پچاس ریال
عرب ممالک سالانہ پچاس روپے

خط و کتابت کا پتہ
نمبر ۱۸۸، السیاحیہ، مرکزی جامع مسجد، گوجرانولہ

رقم کی کٹوتی کے لیے
اکاؤنٹ نمبر: ۱۵۹۹، صیب بینک، ۱۵۹، گوجرانولہ

سورہ اترنے سے پہلے سیکورڈڈ ڈالار سے متعلق کی اطلاع
محمد علی حسن خان، راجدہ، مرکزی جامع مسجد، گوجرانولہ، پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام ایک کھنک اور جامع دین ہے جو نہ صرف زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے بلکہ تاریخ عالم کے صفات میں انسانی معاشرہ کو افکارِ جاہلیہ کے پینے سے نہایت دلا کر امن و سکون کا گہوارہ بنانے کا اعزاز اس فطری نظامِ حیات کا امتیاز میں چکا ہے۔

خلافت راشدہ کا زمانہ اسلامی نظام کے عملی نفاذ اور اس کی برکات کے خور کا مثالی دور تھا۔ اس کے بعد بھی قسمتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کے ہمیشہ شعبوں میں اسلامی احکام و اقدار کی کا فطری کا تسلسل کم و بیش بارہ صدیوں تک قائم رہا تا آنکہ جب یورپ کے شیشی انقلاب اور اس سے پیدا شدہ مسائل کے باطنی استمداد اور کھینچا کا رشتہ ٹوٹ گیا اور مذہب سے آزادی حاصل کر کے انسانی افکار و نظریات کی بنیاد پر نیا نظام ترتیب دینے والی یر پری قوتیں انقلاب اور صنعتی ترقی کے نشہ میں مسلم ممالک پر چڑھ دوڑیں تو یر پری استعماری قوتوں کے زیر تسلط آئے۔ دس مسلم ممالک نہ صرف اپنے سابقہ نظام اور اقدار و قوانین سے محروم ہو گئے بلکہ عرب و یمن نے قسمتِ اسلامیہ کو مغرب کی ذہنی، تمدنی اور نظریاتی غلامی کے شکنجے میں بکرنے کی قسمت کو ہی فکر و فکری معرکہ سمجھ لیا۔ خدا بھلا کرے ان علماء و جن کا جنہوں نے بیرونی استعمار کے خلاف سیاسی، نظریاتی اور تعلیمی محاذوں پر عزم اور صبر آرا، جنگ لڑی اور بالآخر قسمتِ اسلامیہ کے نظریاتی منتقین اور اسلام کے فکری و علمی اثبات کو محفوظ رکھنے اور مسلم ممالک پر استعماری اہمیت دار کا غمٹہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلم ممالک سارا اجتماعی قوتوں کے سیاسی اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود بیرونی استعماری نظاموں کے مسلسل پیر ہیں اور سرمایہ آقاؤں کی فکری اولاد ان کا فرائضوں کے تحفظ اور اسلانی نظام کے نفاذ و تغیر کر روکنے کے لیے آخری نظریاتی جنگ کا بھل بھال ہے۔

یہ جنگ سیکورڈڈ کے نام پر انسانی اجماعیت کو مذہب سے لا تعلق قرار دینے اور اجماعیت و مطلق کے نام پر فنی اور منانی تعبیر و تشریح کے ذریعہ دین کو اپنے نظریات و مقاصد کے سانچے میں ڈھالنے کے دو محاذوں پر جاری ہے اور اسی نظریاتی اور فکری معرکہ میں اہل حق کی خدمت اور ترجمانی کے لیے "اشترعیۃ" اپنے معرکہ آفا کر رہا ہے۔
ہمیں امید ہے کہ اس فکری و نظریاتی جدوجہد میں "اشترعیۃ" کو اہل فکر و نظر کی سرپرستی حاصل رہے گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احباب کے تعاون سے "اشترعیۃ" دین و قوم کی بہتر خدمت کر سکے گا۔

التحریر
۸۱ ۹۲۶

اُمتِ مسلمہ

کی

کامیابی کا راز



علمِ تعداد میں گو کثیر ہیں مگر انہیں کس طرح کی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور من مانی اور انفرادی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم بظاہر اگرچہ ایک دوسرے سے واقف اور قریب تر ہیں لیکن درحقیقت ایک دوسرے سے بے گانہ اور دور ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے محور کے گرد گھومتا ہے اور حیاتِ ملی کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قوموں کی بستی اور بقا کا مدار ان کی مرکزیت اور اجتماع پر ہوتا ہے۔ ان کی انفرادی اور جداگانہ حیثیت اور امتیازی خصوصیت اس نقطہء ماسک سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ان کی جامع اور تنظیمی زندگی اور مرکزیت میں خلل اور انتشار، تشتت و خلفشار واقع ہو جائے تو ان کی قومی اور ملی حیثیت کا شیرازہ بالکل کجمر جاتا ہے اور زندگی بے حادث و نوازل کی باد صحر اور دہریت والہ ماحول کا ہر جھونکا نہیں جدمر چلے بے وزن پر اور خفیف تنکے کی طرح اڑائے اڑائے پھرے گا اور ایسے ناکثرتہ بہ حالات میں ان کو کسی قرار و معین کا موقع میسر نہ آئے گا اور صحیح اسلامی نظام کے بغیر جس کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہو ایسا عالمگیر اتفاق و اتحاد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل مغرب اور مغرب زدہ طاقتوں کے اتفاق کا مرکزی نقطہ مفاد پرستی، مکر و خداع، حیلہ سازی، تصنع اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں جس سے ہر در و در دل رکھنے والے غیر اور خوفِ خدا مسلمان کو ہمیشہ پر سیز کرنا لازم ہے۔

بھلا غور تو فرمائیے کہ جو مغربی طاقتیں اور غیر اسلامی حکومتیں درونِ خانہ خود اپنے لیے مطلب پرستی کے نامبلک اور منحوس جُت سے فارغ نہیں وہ ہم سے ساتھ کیا بھلائی کریں گی؟ اور جن کی سیاست اور سفارت ہی دعوہ کو بازی اور حیلہ جرنی پر مبنی ہو اور جن کے وعدے اور قول و قرار اور دوستی و محبت ہر مٹائی کے عشق کا نمونہ ہو اور جن کی اخلاقی اور روحانی طاقت لفظ کی ہیرا پھیری میں مضمر ہو اور جو مزے سے لنگی ہوئی سیدھی سادی بات کی بے جا تاویلات کے دبیز پردوں میں حق کو مستور رکھنا چاہتے ہوں وہ بھلا ہمارے ساتھ الفت و محبت اور ہمدردی و دلنوی کیا کر سکتے ہیں؟ ان کو تو بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ

تو بخویشتین چہ کردی کہ باکئی نظیری

مخدا کہ لازم آید نہ تو راستہ ساز کردن

اس لیے مسلمانوں پر انہیں لازم ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روش اور غیر بدلہ دایات پر عمل پیرا ہوں اور درحقیقت مسلمانوں کی فلاح و کامران اور ان کے بقا اور عزت کا اصلی سبب ہی یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی زندگی میں منظم ہو کر رہیں ورنہ انتشار و تشتت اور پراگندگی و تفرقی سے اسلامی اور قومی زندگی بالکل پامال ہو جائے گی اور مسلمانوں کی عالمگیر اور جاگیر جاندار اور شاندار قوم بنے زن اور بے وقعت ہو کر رہ جائے گی جیسا کہ اس دورِ فتن و شرور میں اس کا آسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور یہ بالکل ایک قطعی حقیقت ہے کہ ضررِ فرد قائم ربطیت سے ہے تنہا کچھ نہیں

پس اگر آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کے لیے جامع اور منظم زندگی شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں ایک ضروری اور لازمی چیز تھی تو یقین کیجئے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے لیے اسی طرح لازمی اور ضروری ہے اور تاقیامت لازم ہی ہے کہ چاہے مسلمان عرب میں سکونت پذیر ہوں یا عجم میں، امریکہ میں فزوش ہوں یا افریقہ میں، یورپ میں رہتے ہوں یا ایشیا میں، چین میں بستے ہوں یا جاپان میں، مصر میں آباد ہوں یا ایران میں، پاکستان کے باشندے ہوں یا ہندوستان کے، غرضیکہ وہ

کراٹھیں اور اپنی جاہ و شوکت اور سلطنت و حکومت کے لیے نہیں بلکہ اعلیٰ حق اور خالص اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے اٹھیں۔ ملک گیری اور ٹھاٹھ باٹھ کے زندگی کے لیے نہیں بلکہ رضائے حق اور شوکتِ اسلام کو اپنی آخری منزل سمجھ کر اٹھیں اور قرآنِ رسنت کی شمعِ فردزاں، حق گوئی اور اخلاقِ فاضلہ کی شمشیرِ ہاتھ میں لے کر ہر قسم کے فتنہ و فساد اور شرکِ قلع قمع کر کے اسلام کو روشن کریں اور اللہ تعالیٰ ہی کے دینِ حق کو نافذ کر کے دم لیں

حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيُكُونَ الدِّينَ كَلْفَةً بِيَهٗ - (پ - الانفال - 5)

یہاں تک فتنہ ایک سرختم ہو جائے اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کا (نافذ ہو کر) رہ جائے۔

جملہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی کوشش اور سعی و تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام پر متحرک رہیں حتیٰ کہ سب گمراہ اور بے گئی ہونے کا دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے اور اس مادی دور کے پیدا کردہ وہ تمام مصائب و تکالیف وہ سب اٹھائیں اور غلط طریقے جن کے ناپیدائگی و بھونڈی سب دنیا اٹھ کر رہ گئی ہے کھیر ختم ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی بھلی ہونی مخلوقِ رطینی کے اس عظیم الشان اور بلند مینار سے فائدہ اٹھائے جس کو جبل اللہ کے پیار سے الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صحیح اسلامی طریقہ اور اسلامی اندازِ فکر کو بروئے کار لائیں اور دینی اور روحانی ماحول اور سازگار ماحول پیدا کریں۔ یہ آرزو ہر دردِ دل رکھنے والے مسلمان کے قلبِ مضطرب میں موجود ہے کہ دینی اور روحانی اصلاحی اور تعمیری کاموں میں کوئی ایسا منظم اور عظیم گروہ نہ ہو جو لوٹ لٹاؤ عمل جلد از جلد مرتب کیا جائے جو خلوص و سچائی، نیکی و استقامت سے مذہبِ وقت اور رزمِ دہمن کی اسلامی اور روحانی بہتری کے لیے تمام نیک عزائم کی کامیابی اور شادمانی کا ضامن ہو سکے اور زندگی کے ہر شعبہ اور پہلو میں دینی اور مذہبی (باقی صفحہ پر)

جمال بھی رہتے ہوں، اسلامی زندگی اور روحانی اقتدار اور کمال اتحاد و اتفاق کے بغیر ان کی کامیابی امر محال ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس نازک دور میں اس صحیح منزل اور نصب العین کو پیش نظر نہ رکھا تو اقوامِ عالم سے متاثر ہو کر ان کے مادی اور انفرادی جذبات ان کی ناک میں کیل ڈالے انہیں زندگی کی مختلف مگر غلط اور غیر اسلامی شاہراؤں پر ادھر ادھر لے لیے پھیریں گے۔ کبھی تو مادی تصورات کی ان حسین مگر مملک وادیوں میں اور کبھی دنیائے فانی کے ناپائیدار تخیلات کی ان نگاہِ فریب اور ہلاکت خیزی مناظر میں وہ مادیت اور مغربیت کے جذبات میں بہ کر آج کچھ کہہ دیں گے اور کل کچھ۔ اور جس قسم کا لفظ اور جذبہ ان کے دل میں موجزن ہو گا، اسی قسم کی آواز زبان پڑے گی۔ نہ تو وہ سب کو پہچانیں گے اور نہ راہزن کو اور مطلب پرستی کے غیر سعید بت ان کو خیر خواہ اور بدخواہ میں کوئی فرق نہ بتائیں گے سہ چلتا ہوں تھوڑی دور بہراک را ہر دو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی را ہسبہر کو میں کیا آنت مسلہ کی یہ انتہائی نازک اور ناگفتہ بہ حالت علماء کرام، اربابِ اقتدار اور دردِ دل رکھنے والے مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں، کیا مساجد کی کس پر سی، نماز روزہ سے لاپرواہی اور بہت سے شعائرِ دین سے غفلت حتیٰ کہ بعض اصولِ دین اور ضروری عقائد سے عوام کی جہالت اصلاح کی محتاج نہیں؟ کیا خالص توحید اور صحیح سنت سے اکثر مسلمانوں کی بے نیازی اور تعلیمِ دین سے بے اعتنائی و امراضِ مستحقہ تغیر و تبدل نہیں؟ کیا اب وہ وقت نہیں کہ مسلمان اپنے تمام اندرونی اور بیرونی مادی اور فزوی اثرات سے دلوں کو آنا دکر کے اٹھنے لگے حتیٰ کہ لیے اٹھیں۔ غیردوں کے آسے اور سہائے پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اٹھیں اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر بھی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اٹھیں۔ صرف قومیت اور وطنیت کا جذبہ لے کر نہیں بلکہ حبِ اللہ اور جذبہ اللہ بن

ڈاکٹر اقبال

کے نام سے ایک مستقل فکری نئی دریافت

لائی سماعت ضرور ہوجاتی ہے اور لوگ اس پر غور کرنے لگتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنا کوئی مستقل مکتب فکر قائم کیا ہے یا نہیں اس پر ہم کچھ بعد میں عرض کریں گے۔ ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر گورایہ صاحب اس وقت کیا کتنا چاہتے ہیں؟ وہ قوم کا ذہن کدھر لے جانا چاہتے ہیں؟ اسلام کی قانونی تشکیل میں مزید الجھاؤ کی طرف یا ان کے ذہن میں اس کی کوئی عملی صورت موجود ہے جسے وہ سمجھتے ہوں کہ جمہور مسلمان اسے قبول کر لیں گے اور اپنے منہ پر لکھ کر کھینچ لیں گے اور پھر پاکستان ایک مضبوط اسلامی مملکت بن جائے گا۔

ڈاکٹر گورایہ صاحب کے ذہن میں پاکستان کے لیے اگر کوئی ایسا خاکہ مل برادرا اس پر قوم کے اتفاق کے امکانات بھی برابر روشن ہوں تو گورایہ صاحب کی یہ پیشکش واقعی امت کے لیے ایک حیران کن عظیم پروگرام اور اس کی یہی صورت ہونی چاہیے کہ پہلے آپ وہ راہ عمل بتائیں اور اس کے بعد اس کی تائید میں دلائل و نظریات پیش کریں۔ دعویٰ اور دلیل میں کچھ تو فاصلہ ہونا چاہیے۔ دعویٰ کو دلائل کے ساتھ مل کر بیان کرنا نتیجہ کار نے ہیں آسانی پیدا نہیں کرتا۔

اب دوسرے سوال کی طرف آئیے کہ ڈاکٹر اقبال نے کبھی اپنے آپ کو کسی خاص مکتب فکر کے قائد کے طور پر متعارف کرایا ہے یا ان کے پیش نظر صرف بات کہہ دینا ہی رہا ہے اور عملی طور پر انہوں نے کوئی نئی جماعت بنائی؟ اپنے آپ کو کبھی مجتہد مطلق کے منصب پر بٹھایا اور نہ وقت کی کسی دیگر دینی قیادت سے مل کر۔ ہاں اپنے کبھی اسے جھجھوٹا اور اسلامی قومیت کے لیے الجھاؤ ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ واقعی کسی مستقل مکتب فکر کے بانی تھے۔

آپ نے اگر کبھی اسے گرفتار اور کورٹ میں ہشیار باش۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مسلمان نہ تھے یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات

کے علمی اور اسلامی حلقوں میں اب تک جو کچھ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام سے اب تک کوئی مستقل مکتب فکر بنا اور پائیدار نہیں گیا۔ ہمارے معلومات کے مطابق پاکستان میں کوئی مکتب فکر یا فرقہ ڈاکٹر اقبال کے نام سے موجود نہیں نہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کبھی کوئی مستقل دینی قیادت کا دعوے کیا نہ انہوں نے اس پر دانشوروں کی کوئی جماعت بنائی۔ اب جبکہ انہیں ہم سے جدا ہونے لگے صرف مدی سے زیادہ عرصہ ہوا ہے ان کے نام سے ایک مستقل مکتب فکر کی دریافت یا ڈاکٹر صاحب مرحوم کا بطور مجتہد مطلق کے تعارف واقعی اس دور کے اہل علم کے لیے ایک نیا باب ہو گا۔

پاکستان میں جب کبھی نفاذ اسلام یا شریعت بل کی بات اٹھتی ہے بعض طبقے اس کی مدد تمام میں کوئی نہ کوئی نئی بات سامنے لے آتے ہیں تاکہ ناہین اور دانشوروں کا ذہن خرد قانون میں ہی الجھ کر رہ جائے اور قوم کسی وقت کسی واضح لائحہ عمل پر یکجہری نکل نہ آسکے۔ پاکستان کو وجود میں آنے ایک طویل وقت پر مبنی ہے اور ہم ابھی تک یہ طے نہیں کر سکے کہ اسلام ہے کیا اور اس کی قانونی تشکیل کس طرح ہو سکے گی۔ جو قوم ہر وقت نظریات میں ہی الجھی رہی اس پر عمل کا وقت کب آئے گا اس کی عملی صورت بہ حال آپ جھجکے ماننے ہے۔

روزنامہ جنگ کی ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ جولائی کی اشاعتوں میں جناب ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کا ایک مضمون علامہ اقبال کا مکتب فکر کے نام سے تین سطحوں میں شائع ہوا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ گورایہ صاحب بھی انہی دانشوروں میں ہیں جن کا ذہن اسلام کی قانونی تشکیل میں ابھی تک الجھا ہوا ہے لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بات یا تشکیک پیدا کرنے میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کا سہارا ضرور دیا ہے۔ اب کچھ بھی نہ ہو لیکن کسی بڑے آدمی کا نام لینے سے بات

خلافت کو خلافتِ راشدہ نہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح آپ نے جب کہا
 سازِ مشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں سے گونج
 اور ایوان میں ذرا ماتم کی تیساری بھی دیکھ
 تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں چاہیے کہ آپ مسلمانوں کی موجودہ پٹریاں
 اور کجگوئیوں کا سبب صرف شیعہ کے مافی جوسوں کو ہی سمجھتے ہیں اور
 مغرب آج اگر عروج پر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں میں شیعہ کی
 طرح کوئی مستقل عزا دار گروہ نہیں ہے جو ہر سال حضرت مسیح کے ملب
 پر چڑھنے کی عزا داری میں جوس نکالتا ہو۔

اگر ہوتا..... اس زمانے میں

ترا قبل اس کو سمجھنا روزِ کبریا کیا ہے
 اگر اقبال کسی مستقل مکتب فکر کا بانی ہوتا تو قائمِ علم
 محمد علی جناح پاکستان کی اساس اس کی فکر پر رکھتے۔ آپ سے
 جب کبھی پوچھا گیا کہ پاکستان کا دستور ریاست کیا ہوگا آپ نے قرآن
 بتلایا اور تحریک کا مذہبی رخ واضح کرنے کے لیے شیخ الاسلام
 شبیر احمد عثمانی کو ساتھ لیا۔ ڈاکٹر اقبال اور قائمِ علم میں تو
 فکری مسائل پر طویل خط و کتابت بھی رہی لیکن ہم اس میں نہیں کچھ
 نہیں پاتے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے آپ کو کسی مستقل مکتب فکر کا
 بانی کہا ہو۔ آپ نے اپنے خطبات میں جن اصول شریعت اور فقہی
 اور پرکھت کی ہے وہ مغربی اور مشرقی سوچ میں ہم آہنگی پیدا
 کرنے اور انہیں اپنے قریب کرنے کی ایک فکری سوچ ہے۔ ان
 کی روشنی میں ڈاکٹر اقبال کے اپنے مسلک کی تعیین ایک مسلم فکر ہوگی
 ڈاکٹر اقبال اگر میان (بصغیر پاک و ہند) کے مسلمانوں کو کوئی راہ دکھانا
 چاہتے یا مسلمانوں کی دینی قیادت پر تنقید کرتے تو ظاہر ہے اُردو آپ
 کی اپنی زبان تھی۔ کیا ضرورت پڑی تھی کہ آپ اپنے خطبات انگریزی
 میں لکھتے۔ علامہ مشرقی ایک اپنی فکر کے بانی تھے۔ انہوں نے صغیر
 کی دینی قوت کو لٹکا کر تباہ و برباد کیا۔ انگریزی میں بات بہتر کہہ سکتے
 تھے آپ نے اپنے مضمون اُردو زبان میں لکھے اور یہی مقتضائے
 حال تھا۔ ڈاکٹر اقبال بھی اگر اسی پوزیشن میں ہوتے تو بصغیر کی دینی
 قیادت کا اس درجہ احترام بھی نہ کرتے جیسا کہ ان کے حالات میں
 ملتا ہے اور آپ اپنے فکری اور فقہی خطبات پہلے اردو میں لکھتے
 درہند کے شہرہ آفاق محدث مولانا شاہ صاحب جب
 لاہور آئے تو ڈاکٹر صاحب نے انہیں اپنے اُلٹے لٹا (بانی اسلام)

عاشا دکھا ڈاکٹر صاحب کی یہ مراد ہرگز نہیں۔ آپ ایک
 قوی رہنما کی حیثیت سے قوم کو ایک اعتدال پر لانا چاہتے ہیں اور
 کہنا چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی راہ پر بہتے ہوئے ہمیں متوازی حالات اور
 نظریات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور اختلاف مسلک ہم سے قوی
 استحکام میں رکاوٹ نہ بننا چاہیے۔ ایک قوی منکر ہونے کی حیثیت
 سے آپ کو کسی کچھ کہنا چاہیے تھا۔

بانی پاکستان قائمِ علم محمد علی جناح کے نام کے ساتھ
 ڈاکٹر اقبال کا نام بطور نعتیہ شایعہ پاکستان آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے
 مسلمانوں کی ایک اسلامی قومیت کا راگ جس دلدیز رنگ میں گایا
 ہے وہ پورے عالم اسلام کا شہرہ آفاق فکری سرمایہ ہے لیکن اس سے
 انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے آپ کو کسی اہم
 کے طور پر پیش نہیں کیا۔ آپ اپنے آپ کو ہمیشہ دوسرے مسلمانوں کا
 ہی ایک حصہ سمجھتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے اہل کبھی اور کہیں
 اصلی اور نسلی اسلام کی سرحدیں قائم نہیں کیں۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آپ بڑے شاعر نہ تھے۔
 شعردادب تو آپ کا حرفِ پیمانہ ادا تھا۔ آپ مسلمان بھی تھے اور
 بڑے درد مند اور حساس مسلمان تھے۔ آپ منکر بھی تھے اور قبول
 کے عروج و زوال پر آپ کی فکر بہت گہری تھی۔ تمام انگلستان کے
 دوران آپ نے مغربی تہذیب کو معرض زوال میں دیکھا تو آپ
 نے چاہا کہ جس طرح بھی بن پڑے اب اسلام ان کے سامنے پیش
 کیا جائے۔ یہ لوگ اپنی تہذیب سے تنگ آئے ہوئے ہیں
 ہو سکتا ہے کہ اب یہ فطرت کو سمجھیں اور اسلام ان مغربی
 قوموں کے لیے کسی طرح لائق قبول ہو جائے۔ آپ نے ان

شرعیات بل کا نیا مسودہ

سینٹ آف پاکستان میں مولانا سید الحق اور مولانا قاضی عبداللطیف کی طرف سے پیش کردہ شریعت بل کے بارے میں سینٹ نے ایک خصوصی کمیٹی قائم کی تھی جس نے ملک کے تمام مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام اور رہنماؤں سے مشاورت اور بل کے تمام نکات پر تفصیل بحث و تمحیص کے بعد اس کا مندرجہ ذیل مسودہ سینٹ کے ایوان میں پیش کر دیا ہے۔ (ادارہ)

(اول) کسی ایسے معاملے سے متعلق جسے دستور میں وفاق قانون سازی کی فہرست یا مشترکہ قانون سازی کی فہرست میں شمار کیا گیا ہو یا کسی ایسے معاملے کے بارے میں جس کا تعلق وفاق سے ہو "وفاق حکومت" ہے، اور

(دوم) کسی ایسے معاملے سے متعلق جسے مذکورہ فہرستوں میں سے کسی ایک میں شمار کیا گیا ہو یا کسی ایسے معاملے کے بارے میں جس کا تعلق صوبے سے ہو صوبائی حکومت ہے۔ (ب) "شریعت" سے مراد وہ احکام اسلام ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔

تشریح: شریعت کی تفسیر و تعبیر قرآن پاک اور سنت کی تفسیر و تعبیر کے سلسلہ قواعد کے مطابق ہوگی۔ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

(ج) "عدالت" عدالت سے کسی عدالت عالیہ کے ماتحت کوئی عدالت مراد ہے۔ اس میں وہ ٹریبونل یا مقدمہ شامل ہے جسے فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کی رو سے یا اس کے تحت قائم کیا گیا ہو۔

(د) "قرارداد مقاصد" سے مراد وہ قرارداد مقاصد ہے جس کا حوالہ دستور کے آرٹیکل ۲ (الف) میں دیا گیا ہے اور جس

ہر گاہ کہ قرارداد مقاصد کو، جو پاکستان میں شریعت کو بالادستی عطا کرتی ہے، دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء کے مستقل حصے کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا ہے اور ہر گاہ کہ مذکورہ قرارداد مقاصد کے اغراض کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے فی الفور نافذ کو یقینی بنایا جائے۔

لذا حسب ذیل قانون بنایا جاتا ہے۔
۱۔ مختصر عنوان، وسعت اور آغاز نفاذ
۱۔ یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۸۹ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

۲۔ پورے پاکستان پر وسعت پذیر ہوگا۔
۳۔ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔
۴۔ اس میں شامل کسی امر کا اطلاق غیر مسلموں کے شخصی قوانین پر نہیں ہوگا۔

۲۔ تعریفات: اس ایکٹ میں "آؤٹ ٹیکر" سے اس سے مختلف مطلب ہو، مندرجہ ذیل عبارات سے وہ مفہوم مراد ہے جو یہاں ترتیب دار دیا گیا ہے۔
(الف) "حکومت" سے مراد

کو دستور کے منصب میں درج کیا گیا ہے۔

(۱) ”مقررہ“ سے مراد اس ایکٹ کے تحت مقررہ ذمہ داری

(۲) ”مستند دینی مدرسہ“ سے مراد وہ دینی مدرسہ ہے جسے
یونیورسٹی گرانٹس کمیشن یا حکومت قوا عد کے مطابق تسلیم کرتی ہو۔

(۳) ”منفی“ سے مراد شریعت سے کما حقہ واقف وہ مسلمان
عالم ہے جو کسی باقاعدہ دینی مدرسہ کا سند یافتہ اور تخصیص فی الخفہ

کی سند حاصل کر چکا ہو اور پانچ سال کی مستند دینی مدرسہ میں
علوم اسلامی کی تدریس یا افتاء کا تجربہ رکھتا ہو یا جو دس سال

تک کسی مستند دینی مدرسہ میں علوم اسلامی کی تدریس یا افتاء
کا تجربہ رکھتا ہو اور جسے اس قانون کے تحت شریعت کی تشریح

اور تعبیر کرنے کے لیے عدالت عظمیٰ، کسی عدالت عالیہ یا دفاتی
شرعی عدالت کی اجازت کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔

۳۔ شرعی عدالت کی بالادستی؛ شریعت پاکستان کا اعلیٰ ترین
قانون ہوگی اور اسے مذکورہ ذیل طریقے سے نافذ کیا جائے

گا اور کسی دیگر قانون، رواج یا دستور العمل میں شامل کسی امر کے
عمل اگر ختم مؤثر ہوگی۔

۴۔ عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات
کا فیصلہ کریں گی

۱۱ اگر کسی عدالت کے سامنے یہ سوال اٹھا یا جائے کہ
کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے تو عدالت

اگر اسے اطمینان ہو کہ سوال غور طلب ہے، ایسے معاملات کی
نسبت جو دستور کے تحت دفاتی شرعی عدالت کے اختیار سمیت

کے اندر آتے ہوں دفاتی شرعی عدالت سے استصواب کرے
گی اور مذکورہ عدالت مقدمہ کا ریکارڈ طلب کر سکے گی اور اس کا

جائزہ لے سکے گی اور امر متقیح طلب کا ساٹھ دن کے اندر اندر
فیصلہ کرے گی۔

گر شرط یہ ہے کہ اگر سوال مسلم شخصی قانون کسی عدالت
یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کسی قانون کسی مالی قانون

یا محصولات یا فیسیوں کے مانڈ کرنے اور وصول کرنے یا بنکاری
یا بیمہ کے عمل و طریقہ کار سے متعلق کسی قانون کے بارے میں ہو

تو عدالت امر متقیح طلب کو عدالت عالیہ کے حوالے کر دے گی

جو اس کا ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ عدالت کسی ایسے قانون یا قانون
کے حکم کی نسبت اس کے شریعت کے منافی ہونے یا نہ ہونے

کے بارے میں کسی سوال پر غور نہیں کرے گی جس کا دفاتی شرعی عدالت
یا عدالت عظمیٰ کی شرعی مرافعہ پنچ پہلے ہی جائزہ لے چکی ہو اور اس

کے شریعت کے منافی نہ ہونے کا فیصلہ کر چکی ہو۔

(۲) ذیلی دفعہ (۱) کا دوسرا فقرہ شرطیہ دفاتی شرعی عدالت
یا عدالت عظمیٰ کی شرعی مرافعہ پنچ کی جانب سے دیے گئے کسی

فیصلے یا صادر کسی حکم پر نظر ثانی کرنے کے اختیار پر اثر انداز نہیں
ہوگا۔

(۳) عدالت عالیہ، خود اپنی تحریک پر یا پاکستان کے کسی شہری
یا دفاتی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر یا ذیلی دفعہ (۱)

کے پہلے فقرہ شرطیہ کے تحت اس سے کیے گئے کسی استصواب
پر اس سوال کا جائزہ لے سکی اور فیصلہ کر سکے گی کہ آیا کوئی مسلم

شخصی قانون کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق
کوئی قانون کوئی مالی قانون یا محصولات اور فیسیوں کے مانڈ کرنے

اور وصول کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل و طریقہ کار سے متعلق
کوئی قانون یا مذکورہ قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے

یا نہیں۔

گر شرط یہ ہے کہ سوال کا جائزہ لیتے ہوئے عدالت عالیہ
توضیح طلب سوال سے متعلقہ شعبہ کا شخصی اور راک رکھنے والے

ماہرین میں سے جن کو وہ مناسب سمجھے کو طلب کرے اور ان کے
نقطہ نظر کی سماعت کرے گی۔

۴۔ جبکہ عدالت عالیہ ذیلی دفعہ (۳) کے تحت کسی قانون یا
قانون کے حکم کا جائزہ لینا شروع کرے اور اسے ایسا قانون یا قانون

کا حکم شریعت کے منافی معلوم ہو، تو عدالت عالیہ ایسے قانون کی
صورت میں جو دستور میں دفاتی نہت قانون سازی یا مشترکہ

نہت قانون سازی میں شامل کسی معاملے سے متعلق ہو دفاتی
حکومت کو یا کسی ایسے معاملے سے متعلق کسی قانون کی صورت
میں جو ان نہتوں میں سے کسی ایک میں بھی شامل نہ ہو صوبائی
حکومت کو ایک نوٹس دے گی جس میں ان خاص احکام کی

صراحت ہوگی جو اسے بائیں طور پر منافی معلوم ہوں اور مذکورہ حکومت کو اپنا نقطہ نظر عدالت عالیہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے مناسب موقع دے گی۔

(۵) اگر عدالت عالیہ فیصلہ کرے کہ کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے تو وہ اپنے فیصلے میں حسب ذیل بیان کرے گی۔

(الف) اس کی مذکورہ رائے قائم کرنے کی وجہ

(ب) وہ جہاں تک ایسا قانون یا حکم بائیں طور پر منافی ہے اور

(ج) اس تاریخ کا تعین جس پر وہ فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔

مگر شرط یہ ہے کہ ایسا کوئی فیصلہ اس میعاد کے گزرنے سے پہلے جس کے اندر عدالت عظمیٰ میں اس کے خلاف اپیل داخل ہو سکتی ہو یا جبکہ اپیل بائیں طور داخل کر دی گئی ہو اس اپیل کے فیصلے سے پہلے نافذ العمل نہیں ہوگا۔

مزید شرط یہ ہے کہ کسی مالی قانون یا محصولات اور سروس کے عائد کرنے اور وصول کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل و طریقہ سے متعلق کسی قانون کے بارے میں عدالت عالیہ کا فیصلہ اس فیصلے کی تاریخ سے چھ ماہ کی مدت ختم ہونے تک نافذ العمل نہیں ہوگا۔ مزید شرط یہ ہے کہ عدالت عالیہ، وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر جس میں فیصلہ کی تعمیل نہ کرنے کی معقول وجہ ظاہر کی گئی ہو، اس مدت میں اتنے عرصے کی وسیع کر سکے گی جتنی ماہ سے زیادہ نہ ہو۔

(۶) عدالت عالیہ کو اس دفعہ کے تحت اپنے دیے ہوئے فیصلے یا صادر کردہ کسی حکم پر نظر ثانی کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۷) اس دفعہ کی رو سے عدالت عالیہ کو عطا کردہ اختیار سماعت کو کم از کم تین جہوں کی کوئی بیخ استعمال کیے گی۔

(۸) اگر ذیلی دفعہ (۱) یا ذیلی دفعہ (۲) میں ممولہ کوئی سوال عدالت عالیہ کی ایک رکنی بیخ یا دور کی بیخ کے سامنے اٹھے تو اسے کم از کم تین جہوں کی بیخ کے حوالے کیا جائے گا۔

(۹) اس دفعہ کے تحت کسی کارروائی میں عدالت عالیہ کے قطعی فیصلے سے ناراض کوئی فریق مذکورہ فیصلے سے ساٹھ دن کے اندر عدالت عظمیٰ میں اپیل داخل کر سکے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ وفاق یا کسی صوبے کی طرف سے اپیل مذکورہ فیصلے کے چھ ماہ کے اندر داخل کی جا سکے گی۔

(۱۰) اس قانون میں شامل کوئی امر یا اس کے تحت کوئی فیصلہ

اس قانون کے آغاز نفاذ سے قبل کسی عدالت یا ٹریبونل یا مقدمہ کی طرف سے کسی قانون کے تحت دی گئی سزاؤں، دیے گئے احکام یا نئے ہوئے فیصلوں، منظور شدہ ڈگریوں، ذمہ کیے گئے فرائض، حاصل شدہ حقوق، ان کی تشنصیات، وصول شدہ رقوم یا اعلان کردہ قابل ادا رقوم پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

تشریح: اس ذیلی دفعہ کی غرض کے لیے "عدالت" یا "ٹریبونل"

سے مراد اس قانون سے آغاز نفاذ سے قبل کسی وقت کی قانون یا دستور کی رو سے یا اس کے تحت قائم شدہ کوئی عدالت یا ٹریبونل ہوگی اور لفظ "مقدمہ" سے مراد فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کے تحت قائم شدہ کوئی مقدمہ ہوگی۔

(۱۱) کوئی عدالت یا ٹریبونل بشمول عدالت عالیہ کسی زیر سماعت یا اس قانون کے آغاز نفاذ کے بعد شروع کی گئی کسی کارروائی کو مسموم اس بنا پر موقوف یا موقوف نہیں کرے گی کہ یہ سوال کہ آیا کوئی قانون یا قانون کا حکم شریعت کے منافی ہے یا نہیں عدالت عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت کے سپرد کر دیا گیا ہے یا یہ کہ عدالت عالیہ نے اس سوال کا جائزہ لیا شروع کر دیا ہے اور ایسی کارروائی جاری رہے گی اور اس میں امر دریافت طلب کا فیصلہ فی الوقت نافذ العمل قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ بشرطیکہ عدالت عالیہ ابتدائی سماعت کے بعد یہ فیصلہ نہ دے لے کہ زیر سماعت مقدمات کو عدالت کے فیصلے تک روک دیا جائے۔

(۱۲) شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی؛

انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت، وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اسے عدالت عالیہ میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

۶۔ عدالتی عمل اور احتساب؛ حکومت کے تمام

عمال دستور کے تابع رہتے ہوئے اسلامی نظام انصاف کے پابند ہوں گے اور شریعت کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

(۱) علماء کوجج اور معاونین عدالت مقرر کیا جاسکے گا۔ (۱) ایسے تجربہ کار اور سنیہ علماء جو اس قانون کے تحت مقرر کیے جانے کے اہل ہوں عدالتوں کے ججوں اور معاونین عدالت کے طور پر مقرر کیے جانے کے بھی اہل ہوں گے۔

(۲) ایسے اشخاص جو پاکستان یا بیرون ملک اس مقصد کے لیے متعلقہ حکومت کے تسلیم شدہ اسلامی علوم کے معروف اداروں اور مستند دینی مدارس سے شریعت کا راسخ علم رکھتے ہوں فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود شریعت کی تشریح اور تعبیر کے لیے عدالت کے سامنے اس مقصد کے لیے وضع کیے جانے والے قواعد کے مطابق پیش ہونے کے اہل ہوں گے۔

(۳) صدر چیف جسٹس عدالت عالیہ کے مشورے سے ذیلی فہر (۱) کی مرض کے لیے قواعد مرتب کرے گا جن میں ججوں اور عدالتوں میں معاونین عدالت کی حیثیت سے تقرر کے لیے مطلوبہ اہلیت اور تجربہ کی وضاحت ہوگی۔

(۴) ایسے اشخاص جو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد یا کسی دیگر یونیورسٹی سے قانون اور شریعت میں گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ ڈگریاں رکھتے ہوں فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود اس فرض کے لیے حکومت کے وضع کردہ قواعد کے مطابق ایڈووکیٹ کی حیثیت سے اندراج کے اہل ہوں گے۔

(۵) اس دفعہ کے احکام کسی طور پر بھی قانون پیشہ اشخاص اور مجالس و کلاہ سے متعلق قانون کے تحت اندراج شدہ وکلاء کے مختلف عدالتوں، ٹریبونلوں اور دیگر مقدرات بشمول عدالت عظمیٰ کی عدالت عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہونے کے حق پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔

۸۔ مفتیوں کا تقرر (۱) صدر چیف جسٹس پاکستان یا چیف جسٹس وفاقی عدالت اور چیف ججین اسلامی نفاذی کونسل کے مشورے سے جس طرح وہ مناسب تصور کرے ایسے اور اتنے مفتیوں کا تقرر کرے گا جو عدالت عظمیٰ عدالت عالیہ اور وفاقی شرعی عدالت کی شریعت کے احکام کی تعبیر و تشریح میں امانت کے لیے مطلوب ہوں۔

(۲) ذیلی دفعہ (۱) کے تحت مقرر کردہ کوئی مفتی صدر کی رضامندی کے دوران اپنے عہدہ پر نافذ رہے گا اور اس کا عہد فی الوقت

کسی نائب امارتی جزل برائے پاکستان کے برابر ہوگا۔

(۳) مفتی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ حکومت کو ایسے قانونی امور کے بارے میں جن پر شریعت کی تشریح و تعبیر درکار ہو مشورہ دے اور ایسے دیگر فرامین انجام دے جو حکومت کی طرف سے اس کے پیش رو یا اس کو تفویض کیے جائیں اور اسے حق حاصل ہوگا کہ اپنے فرامین کی کاپی میں عدالت عظمیٰ اور عدالت عالیہ میں جب کہ وہ اس قانون کے تحت اختیار رسالت استعمال کر رہی ہوں اور وفاقی شرعی عدالت میں مہتمم کے لیے پیش ہو۔

(۴) کوئی مفتی کسی فریق کی وکالت نہیں کرے گا بلکہ روادان سے متعلق اپنی وکالت کے مطابق شریعت کے حکم بیان کرے گا اس کی توضیح، تشریح و تعبیر کرے گا اور شریعت کی تشریح کے بارے میں اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کرے گا۔

(۵) حکومت پاکستان کی وزارت قانون و انصاف مفتیوں کے بارے میں انتظامی امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(۹) شریعت کی تدریس و تربیت (۱) مملکت اسلامی قانون کے مختلف شعبوں میں تعلیم و تربیت کے لیے مؤثر انتظامات کرے گی تاکہ شریعت کے مطابق نظام عدل کے لیے تربیت یافتہ افراد دستیاب ہو سکیں۔

(۲) مملکت نامت مدلیہ کے ارکان کے لیے وفاقی جوڈیشیل اکادمی اسلام آباد اور اس طرح کے دیگر اداروں میں شریعت اور اسلامی فقہ کی تدریس و تربیت نیز باقاعدہ و تھقل سے تجدیدی پروگراموں کے انعقاد کے لیے نثر انتظامات کرے گی۔

(۳) مملکت پاکستان کے لاء کالجوں میں فقہ اور اصول فقہ کے جامع اسباق کو نصاب میں شامل کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی۔

(۱۰) معیشت کو اسلامی بنانا: (۱) مملکت اسلام کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کرے گی کہ پاکستان کے معاشی نظام کی تعمیر اجتماعی مدد کے اسلامی معاشی اصولوں، اقدار اور ترجیحات کی بنیاد پر کی جائے اور دولت کا سنے کے ان تمام ذرائع پر پابندی ہو جو خلاف شریعت ہیں۔

(۲) صدر اس قانون کے آغاز تک کے ساٹھ دن کے اندر ایک مستقل کمیشن مقرر کرے گا جو ماہرین معاشیات علماء اور منتخب

پر دیگر اہم خواہش اور منکرات سے پاک کیا جانے کا اور مملکت کی طرف سے ایسے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے تاکہ ذرائع ابلاغ عام سے اسلامی اقدار کو فروغ ملے۔

(۱۲) تعلیم کو اسلامی بنانا: (۱) مملکت اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے جامع اور متوازن ترقی کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جاسکے کہ پاکستان کے نظام تعلیم و تدریس کی اساس اسلامی اقدار پر ہو۔

(۲) صدر مملکت اس قانون کے آغاز نفاذ سے ساٹھ دن کے اندر تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرے گا جو ماہرین تعلیم، ماہرین ابلاغ عام، علماء اذہم منتخب نمائندگان پارلیمنٹ پر مشتمل ہوگا جن کو وہ موزوں تصور کرے اور ان میں سے ایک کو اس کا چیئر مین مقرر کرے گا۔

(۳) کمیشن کے چیئر مین کو حسب ضرورت مشیر مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۴) کمیشن کے کاروائیوں کے لیے ممبروں کے ذمہ داریاں ہوں گی۔

(الف) دفعہ ۱۱ اور اس دفعہ کی ذیلی دفعہ (۱) میں مذکور مقصد کے حصول کے لیے پاکستان کے تعلیمی نظام اور ذرائع ابلاغ کا جائزہ لے اور اس بارے میں سفارشات پیش کرے۔

(ب) تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے عمل کی نگرانی کرے اور عدم تعمیل کے معاملات وفاق حکومت کے علم میں لائے۔

(۵) کمیشن کی سفارشات پر مشتمل ایک جامع رپورٹ اس کے تقریر کی تاریخ سے ایک سال کی مدت کے اندر وفاق حکومت کو پیش کی جائے گی اور اس کے بعد کمیشن حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹیں پیش کرتا رہے گا۔ البتہ سال میں کم از کم ایک رپورٹ پیش کرنا لازمی ہوگا۔ کمیشن کی رپورٹ حکومت کو موصول ہونے کے تین ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے سامنے بحث کے لیے پیش کی جائے گی۔

(۶) کمیشن کو ہر لحاظ سے جس طرح وہ مناسب تصور کرے اپنی کارروائی کے انعام اور اپنے طریقہ کار کے انضباط کا اختیار ہوگا۔

(۷) جملہ انتظامی مقدمات، ادارے اور مقامی حکام کمیشن کی

نمائندگان پارلیمنٹ پر مشتمل ہوگا جن کو وہ موزوں تصور کرے اور ان میں سے ایک کو اس کا چیئر مین مقرر کرے گا۔

(۲) کمیشن کے چیئر مین کو حسب ضرورت مشیر مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۴) کمیشن کے کاروائیوں کے لیے ممبروں کے ذمہ داریاں ہوں گی۔

(الف) معیشت کو اسلامی بنانے کے عمل کی نگرانی کرنا اور عدم تعمیل کے معاملات وفاق حکومت کے علم میں لانا۔

(ب) کس مایاتی قانون یا معصولات اور فیصلوں کے عائد کرنے اور وصول کرنے سے متعلق کس قانون یا بنکاروں اور ریمیہ کے عمل اور طریقہ کار کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سفارشات کرنا۔

(ج) دستور کے آرٹیکل ۴۸ کی روشنی میں عوام کی سماجی اور معاشی فلاح و بہبود کے حصول کے لیے پاکستان کے معاشی نظام میں تبدیلیوں کی سفارشات کرنا اور

(د) ایسے طریقے اور اقدامات تجویز کرنا جن میں ایسے موزوں تبدلات شامل ہوں جن کے ذریعے وہ نظام معیشت نافذ کیا جاسکے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔

(۵) کمیشن کی سفارشات پر مشتمل ایک جامع رپورٹ اس کے تقریر کی تاریخ سے ایک سال کی مدت کے اندر وفاق حکومت کو پیش کی جائے گی اور اس کے بعد کمیشن حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹیں پیش کرتا رہے گا۔ البتہ سال میں کم از کم ایک رپورٹ پیش کرنا لازمی ہوگا۔ کمیشن کی رپورٹ حکومت کو موصول ہونے کے

۳ ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے سامنے بحث کے لیے پیش کی جائے گی۔

(۶) کمیشن کو ہر لحاظ سے جس طرح وہ مناسب تصور کرے اپنی کارروائی کے انعام اور اپنے طریقہ کار کے انضباط کا اختیار ہوگا۔

(۷) جملہ انتظامی مقدمات، ادارے اور مقامی حکام کمیشن کی امانت کریں گے۔

(۸) وزارت خزانہ حکومت پاکستان کمیشن سے متعلق انتظامی امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(۹) وزارت خزانہ حکومت پاکستان کمیشن سے متعلق انتظامی امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(۱۱) ذرائع ابلاغ عامہ اسلامی اقدار کو فروغ دینے کے لیے تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت

دیں گے، تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت

امانت کریں گے۔

(۸) وزارت تعلیم حکومت پاکستان اس کمیشن سے متعلق انتقالی امور کی ذمہ داری ہوگی۔

(۱۲) عمال حکومت کے لیے شریعت کی پابندی، انتظامیہ، عدلیہ اور مفتی کے تمام مسلمان ارکان کے لیے فرائض شریعت کی پابندی اور کبار سے اجتناب لازم ہوگا۔

(۱۳) قوانین کی تعبیر شریعت کی روشنی میں کی جائے گی۔ اس قانون کی غرض کے لیے

(اول) قانون موضوعہ کی تشریح و تعبیر کرتے وقت، اگر ایک سے زیادہ تشریحات اور تعبیرات ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائیگا جو اسلامی اصولوں اور فقہی قواعد و ضوابط اور اصول ترجیح کے مطابق بڑا اور (دوم) جب کہ دو اور دو سے زیادہ تشریحات و تعبیرات سادی طور پر ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اسلامی احکام اور دستور میں بیان کردہ حکمت عملی کے اصولوں کو فروغ دے۔

(۱۵) بین الاقوامی مالی ذمہ داریوں کا تسلسل: اس قانون کے احکام یا اس کے تحت دیے گئے کسی فیصلے کے باوجود اس قانون کے لغاظ سے پہلے کسی قومی ادارے اور بیرونی ایجنسی کے درمیان مابعد کوئی ذمہ داریاں اور کیے گئے معاہدے موثر، لازم اور قابل عمل نہیں ہوں گے۔

تشریح، اس دفعہ میں قومی ادارے کے الفاظ میں ذاتی حکومت یا کوئی صوبائی حکومت، کوئی قانونی کارپوریشن، کمپنی، ادارہ، تجارتی ادارہ اور پاکستان میں کوئی شخص شامل ہوں گے اور "بیرونی ایجنسی" کے الفاظ میں کوئی بیرونی حکومت کوئی بیرونی ادارہ، بیرونی سرمایہ منڈی بشمول بینک اور کوئی بھی قرض دینے والی بیرونی ایجنسی بشمول کسی شخص کے شامل ہوں گے۔

(۱۶) موجودہ ذمہ داریوں کی تکمیل: اس قانون میں شامل کوئی امر یا اس کے تحت کوئی دیا گیا فیصلہ کسی مابعد کردہ مالی ذمہ داری کی باضابطگی پر اثر انداز نہیں ہوگا بشمول ان ذمہ داریوں کے جو ذاتی حکومت یا کسی صوبائی حکومت یا کسی مالی یا قانونی کارپوریشن یا دیگر ادارے نے کسی دستاویزات کے تحت واجب کی ہوں

یا اس کی طرف سے کی گئی ہوں، خواہ وہ معاہداتی ہوں یا بصورت دیگر ہوں یا ادائیگی کے وعدے کے تحت ہوں اور یہ تمام ذمہ داریاں وعدے اور مال پابندیاں قابل عمل لازم اور موثر نہیں ہوں گی۔

(۱۷) قواعد: متعلقہ حکومت، سرکاری جریدے میں اعلان کے ذریعے اس قانون کی اغراض کی بجا آوری کے لیے وضع کر سکے گی۔

بقیہ: ڈاکٹر اقبال

اور کوئی ذمہ داری نہ ہوگی ان سے اسلام کے فکری اور قانونی مسائل پر استفادہ کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کسی مرحلے پر اپنے آپ کو کسی مستقل کتب خانہ کا نائزہ نہیں کیا۔ محسن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں شیخ الاسلام علامہ شہباز عثمانی کی تقریر آپ پر بڑا ہتہام سے سنتے اور جب انہیں پتہ چلا کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی طرف ملت کے وطن سے بننے کی بات غلط محسوب ہوئی ہے تو آپ نے کہا کہ اب میں آپ کے معتقدین سے عقیدت میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں۔ کیا ایسی بات وہ شخص کہہ سکتا ہے جو خود ایک مستقل دینی قیادت کا داعی ہو۔ کیا اس سے وقت کی دیگر دینی قیادتوں کا احترام اس درجہ میں پایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اگر آپ اس پس منظر میں ڈاکٹر صاحب کے اس خطبہ کو لیں جس سے ڈاکٹر گورایہ صاحب نے اپنے مضمون میں استناد کیا ہے تو یہ بات کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی کہ آپ اس علمی پیشکش میں اقوام مغرب اور فلسفہ زدہ طبقے کو رو جاتی اسلام کے قریب کر رہے ہیں نہ کہ خود مغرب اور محدث بننے قوم کو وقت کی دیگر دینی قیادتوں سے دور بنانے کے لیے میدان عمل میں آئے ہوئے ہیں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: ایک مسلمان **زیر اہل نبوی** کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے۔ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔ (بخاری)

• بندوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔
* طنز کر کے کسی کی دل نزاری جائز نہیں۔

موجود تھیں اور آج بھی ہیں۔

کعبہ کی تعمیر مکمل ہونے پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ نے مکر میں کھڑے ہو کر ایک رسول بھیجنے کی دُعا مانگی۔ قرآن میں وہ دُعا ان الفاظ میں منقول ہے

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ

اے خداوند ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سُنائے اور ان کو کتاب و سنت سکھائے اور ان کو پاکیزہ کر کے بے شک تو نواب و دانا ہے۔

انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح نے ایک مددگار کی خوشخبری دی۔ اب تو خیر اصل انجیل موجود نہیں ہے۔ قرآن پاک نے اس اصل انجیل کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا:

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ السُّورَةِ وَمُبَشِّرًا بِرُسُولٍ يُاتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمُرْسَلُونَ

میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں تو رات کی تصدیق کرنے والا اور آنے والے رسول کی خوشخبری دینے والا وہ رسول جس کا نام احمد ہے۔

موجودہ انجیل میں یوں مرقوم ہے:

"اور میں باپ سے درخواست کر دوں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بھیجتے گا جو اب تک تمہارے ساتھ ہے گا۔ (یوحنا باب 1 آیت 16) پھر لکھا ہے کہ

"لیکن مددگار یعنی پاکیزگی کی راہ جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں



حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں مخصوص اوقات میں، مخصوص مقامات پر اور مخصوص زمانے کے لیے فریضہ رسالت کی ادائیگی کے لیے وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی ایک سبت بڑی تعداد بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث ہوئی۔

یاد رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل دوڑے حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک قبیلہ ہے بنو اسرائیل اور دوسرا قبیلہ بنو اسمعیل۔ بنو اسرائیل میں بے شمار انبیاء آئے اور مختلف لوگوں نے اپنے اپنے زمانے میں ان کا ظہور دیکھا۔ اکثر اسرائیلیوں نے اپنی بد مزاجی و بد اخلاق کی وجہ سے یا تو انبیاء کو قتل کر دیا یا پھر ان کو جھٹلا دیا۔ اس کے برعکس بنو اسمعیل میں مرت ایک نبی کا ظہور ہوا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہودی اور عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے اور دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محض تعصب کی بنا پر آپ کی رسالت کا انکار کیا اور نہ ان کی کتابوں میں کثیر تحریف کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح پیشگوئیاں موجود

حضرت مسیح کی تعلیم یعنی توحید کو بھول کر تثلیث پر ایمان رکھتے تھے تو قرآن نے کہا کہ

وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً تین خدمات کو

اور لوگ حضرت عیسیٰ کی بشارت سے انکار کرتے تھے تو حضور نے فرمایا کہ میں ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور اس کا بھروسہ نہیں“ (یوحنا ۱۵: ۲۰)

حضرت مسیح آنے والے رسول کو دنیا کا سردار کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں کچھ نہیں سمجھتے اور انجیل متروک بنا باس میں اس سے بھی زیادہ حیرت ہے۔ انجیل برنباس کی ۴۴ ویں فصل میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

”کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں یہ (رسول) گونیا میں آئے گا۔ اے محمد اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنانے کے میں تیری جوتی کا تسمہ کھوں“ اس کے بعد پھر مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا“ (یوحنا ۱۵: ۲۶)

کیسا مرتب بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کی گواہی دی اور انجیل کی تصدیق کی۔ عیسائیوں کی اصلاح کی اور حضرت کی اصل شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا۔ حضرت مریم کی پاکیزگی کو بیان کیا۔ حضرت ابرہہ کی صداقت تسلیم کرنے کو اسلام کا ضروری رکن قرار دیا اور حضرت عیسیٰ کے پاس سے میں تمام اہل

نے تم سے کہی ہیں وہ تمہیں یاد دلانے گا۔“ (یوحنا باب ۱ آیت ۲۶)

ایک مقام پر لکھا ہے:

”پر جب وہ مددگار جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا۔“

(یوحنا باب ۱ آیت ۲۶)

ان آیات میں حضور کو مددگار کہا گیا ہے۔ قدیم اردو ترجموں میں مددگار کی جگہ ”فنا قلیط“ لکھا گیا ہے اور یہ زبان کے لفظ ”پیریکلیطاس“ کا معرب ہے اور اس کا عربی میں صحیح ترجمہ احمد ہے جو کہ قرآن پاک میں مذکور ہے تو انجیل یوحنا میں جس مددگار کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں (یوحنا ۱۴: ۱۶) میں سچائی کی روح بولا گیا ہے اور ان کے اقیامت نبی ہونے کی پیش گوئی ہے۔ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ مددگار اب تک تمہارے ساتھ رہے گا یعنی وہ سچائی کی روح اس کے بعد حضرت مسیح فرماتے ہیں:

”لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ

میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں

سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے

وہ سب تمہیں یاد دلانے گا۔“ (یوحنا ۱۵: ۲۶)

اس میں مسیح نے آنے والے رسول کے بارے میں

فرمایا کہ وہ ان کے نام سے آئیں گے اور یہ بھی کہا کہ میری باتوں

پر اکتفا نہیں ہوگا بلکہ سب باتیں تو آنے والا رسول کرے

گا یعنی شریعت کی تکمیل کرے گا اور یہ بھی فرمایا کہ تم میری تعلیمات

بھول جاؤ گے تو وہ تمہیں یاد کرانے گا اور اسی لیے قرآن پاک

نے اپنے آپ کو ہیرو دونصاری پر نگران کہا ہے اور عیسائی

بارے میں ہیں اور خدا کی ذات پر ان کے اطلاق کے لیے مسیحی قوم کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

بقیہ: شاہ ولی اللہ یونیورسٹی

پبلک ایڈمنسٹریشن کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں اس کے لیے ترقی یافتہ دنیا میں شاہ ولی اللہ یونیورسٹی کے گریجویٹ طلبہ کے لیے داخلگی کی سہولت ہوگی۔ جرنل کینڈر کے طلباء کی رائے کے بعد اس کینڈر میں داخلہ لے سکیں گے۔ یہ فاضلین آگے چل کر سرکاری اور نجی شعبوں میں انتظامی امور کی نگہداشت و انصرام کی اہمیت پیدا کر سکیں گے۔

چونکہ شاہ ولی اللہ یونیورسٹی کا
معهد اللغة العربیہ | اصل مقصد اسلامی علوم کے ذریعے

اسلامی ڈھب میں سیرت سازی کرنا ہے اور اس امر کے بارے میں دور میں نہیں ہو سکتیں کہ اسلامی علوم و فنون کے مصادر و معائنات یا تو عربی ممالک رہے ہیں یا وہ عربی ممالک جن میں علمائے اسلام نے جیشتر کام عربی زبان و ادب میں کیا ہے لہذا عربی زبان کا حصول اسلامی علوم کے حصول کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اگرچہ تراجم و تعبیرات کے ذریعے دنیا کی کم و بیش ہر معروف زبان میں اسلامی لٹریچر در آیا ہے تاہم کوئی بھی شخص جو علوم اسلامیہ کے اصل سرچشمہ یعنی قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رسائی کا متمنی ہے وہ عربی زبان کے حصول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس منعم مقصد کے حصول کے لیے نصاب کیسٹری نے معهد اللغة العربیہ کے خصوصی ادارے کے قیام کی سفارش کی ہے۔

یہ ادارہ قدیم و جدید عربی زبان کی تدریس کا اہتمام کرے گا جس کے لیے اندرون ملک اور بیرون ملک سے اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں گی اور طلباء کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ عربی زبان میں تقریر و تحریر کے ذریعے اظہارِ رائے اور علمی تحقیقات کی اہمیت پیدا کر سکیں۔



معاذ کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔

پھر حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ

”میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں تھوڑا ٹھہرائے گا.... لیکن جب وہ یعنی سپانی کی روح آئے گا تو تم کو سپانی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو کچھ تمہارے دہی کے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں

دے گا۔“ (ریحنا ۱۶ = ۱۳ تا ۱۴)

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ برہنہ کے بعد آئے گا اور میرے جائے بغیر وہ نہیں آئے گا اور چونکہ وہ میری اصل تعلیمات کو بھول کر ان کا انکار کرتے ہوں گے تو وہ مددگار ان کو سزا دے گا اور وہ میری تعلیمات کو بھول کر گمراہ ہو چکے ہوں گے تو وہ سپانی کی راہ دکھائے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔

قرآن کریم نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وحيٌ يوحىٰ
اور فرمایا کہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ تاریخ شاہد ہے اور موجودہ سائنس گواہ ہے کہ حضورؐ کی پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہوئی ہیں۔

ان تمام آیات سے بالکل واضح ہو گیا ہے کہ حضرت محمدؐ کی صداقت کو مبالغہ سے اور بغض کی وجہ سے نہیں مانا ہے اور وہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ پیش گوئیاں ذات الہی کے تیسرے اقنوم روح القدس کے بارے میں ہیں لیکن آپؐ بجز ان پیش گوئیوں کو چھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ کسی انسان کے

مشاورت ولی اللہ بنوری

ہوسکتا۔ دارالعلوم دیوبند اسی شاندار ماضی سے ربط وارتباط کا منظر تھا۔

دوسرے کا خیال یہ تھا کہ نسل زر کو جب تک جدید علوم سے بہرہ ور نہ کیا جائے وہ عصری تقاضوں کا ساتھ نہ دے گی۔ ایم۔ اے۔ او کالج جو بعد میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ بنا اسی طرز فکر کا نمائندہ تھا۔ ۱۸۹۸ء میں دیوبند اور علیگڑھ میں پائے جانے والے تقاضوں کے ازالے کے لیے لکھنؤ میں بیۃ العلم کا قیام عمل میں آیا۔ مذہب نے درمیانی راہ اختیار کی مگر پرانے طرز کی دینی درسگاہوں کے مقابلے میں انگریزی تعلیمی اداروں کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی جبکہ پرانی درسگاہوں کو کمیتر تغافل کی نذر کر دیا گیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف پرانے ڈھب کے قرآن و حدیث فقہ اور دوسرے دینی علوم آلہ کے فارغ التحصیل تھے تو دوسری طرف سکولوں اور کالجوں کے جدید تعلیم یافتہ دونوں ایک ہی سوسائٹی کے افراد ہونے کے باوجود ذہنی طور پر ایک دوسرے سے طویل فاصلوں پر کھڑے تھے۔

اب ہمیں ایسے تعلیم یافتہ افراد کی ضرورت تھی جو ایک طرف تربیت و کردار میں سچے اور سچے مسلمان ہوں، فکری طور پر اتنا توانا ہوں کہ کوئی سی بھی تحریک جدید ان کے اسلامی اخلاق پر اثر انداز نہ ہو سکے دوسری طرف وہ ملک و قوم کو ٹوٹ

تعلیم ہم ہے ایک نسل کے تجربات کو منظم و مرتب حیثیت سے دوسری نسل تک پہنچانے کا۔ درسگاہیں یہی کام انجام دیتی ہیں۔ گذشتہ صدی میں برصغیر میں تعلیمی نظام جس بیخ پر چل رہا تھا اس میں ایک ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی جو ایک طرف تو کسی حد تک خوشگوار خیال کی گئی مگر اس کا ایک پہلو بے حد کرب انگیز ثابت ہوا۔ ایک عرصے سے رائج علوم میں ہمیل پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی افکار بے لہ، اطوار بے اور نوا دیہا نے نظر میں ایک انقلاب آگیا۔ ۱۸۳۴ء میں انگریزی کے سرکاری زبان قرار دیے جانے سے پرانے لسانی سا پچھے ٹھٹھنے لگے۔ ۱۸۵۷ء کے آتے آتے انگریزی زبان و ادب نے برصغیر میں اپنا خاص مقام بنایا۔ سیاسی تغلب کے ساتھ ساتھ غیر ملکی لسانی علی استیلاء کے آثار واضح طور پر سامنے آ گئے۔

۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند اور ۱۸۷۵ء میں محمد علی گلو اور نیشنل کالج علی گڑھ کی بنیاد رکھی گئی۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مرتبہ احمد خان دونوں ہی مولانا ملک علی کے تلامذہ ہیں سے تھے۔ دونوں کی فکری صفت اور ذہنی پرداخت میں خاصا بعد تھا۔ دونوں کا مقصد تعلیم اگرچہ ایک ہی تھا مگر ماہیں بالکل جدا جدا تھیں۔ ایک کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلمان جب تک اپنے افسانہ شاندار روایات سے گری وابستگی اختیار نہیں کرے گا وہ نشاۃ ثانیہ کے لیے تیار نہیں

کے چاہیں۔

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی سے تصدیق دوشنبہ کے لیے ان کی خدمت میں پیش کیا گیا ان بزرگوں نے ڈھیروں دُعاؤں کے ساتھ اس پر دو گرام پر سادکیا اور جمعیت کی درخواست پر اس کی سرپرستی بھی قبول فرمائی۔

فیصلے کے مطابق گوجرانولہ سے جانب لابر موضع اٹاؤ کے پاس جی ٹی روڈ سے مشرق میں ریوے لائن سے متصل ۳۲ ایکڑ جگہ خرید لی گئی اور گذشتہ ماہ کے ایک بابرکت دن جمعیت کے ارکان اور دیگر سرکردہ حضرات کے ہمراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نے دُعا کے خیر کے ساتھ ابتدائی تعمیری کام کا آغاز فرمایا۔

منصوبے کے اہم مقاصد

۱- سب سے پہلا مقصد اس یونیورسٹی کا یہ ہوگا کہ چنانچہ طرز کے دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء کو جدید اور عصری علوم دالسنہ سے متعارف کرایا جائے۔ انہیں اس حد تک عصری رجحانات سے آگاہ کیا جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے جدید علمی و معاشرتی تقاضوں کے مطابق خدمت انجام دے سکیں۔

۲- سکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کر کے ان میں اخلاقِ فاضلہ اپنانے کا ذوق پیدا کیا جائے تاکہ وہ بحیثیت مسلمان اپنی عملی زندگی میں اپنے آپ کو غیر مسلموں سے میز کر سکیں اور بہ دیانت، اخلاقِ باختر اور مادیت پرست نام نداد تعلیم یافتہ مسلمان اہلکاروں کے مقابلہ میں اخلاق و کردار کے لحاظ سے امتیازی شان کے حامل ہوں۔

۳- ذہین اور باصلاحیت طلباء کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ مقابلے کے استحقاق میں کامیابی حاصل کریں اور انتظامی اور عدالتی شعبوں میں جا کثابت کر سکیں کہ دیانتِ خلوص نسبتاً ماہرانہ بصیرت اور اسلامی نگرہ ہتھیار ہیں جن سے ہر باطل قوت کو منہدم کیا جاسکتا ہے، احوال کو جگجگایا جاسکتا ہے اور

ملک کی مقصد، عدلیہ اور انتظامیہ میں ایسے سکے سبند کل پڑے بن کر فٹ ہو جائیں کہ مملکت پاک جدید ترقی یافتہ اقوام کو چشمک زنی کر سکے۔ وہ تعلیمی میدان میں ہوں تو ایسی نسل تیار کریں جس کا ایک ایک فرد سچا پاکستانی اور پاک مسلمان ہو جس کی سوچ میں مادیت غالب نہ ہو۔ استعمال مادیت تو ہر مادیت پرستی نہ ہو۔ وہ جس شعبہ حیات میں ہوں اپنے ماحول کو جگجگادیں۔ اپنے کردار کی مصلحت سے پڑے ماحول میں چکا چوند پیدا کر دیں۔

سرور کائنات کے اسوۂ حسنہ پر خود عمل کر دینا کے سامنے ایک صادق القول و العمل مسلمان کا صحیح ماڈل پیش کریں۔ اس مقصد کے لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ دین اور دنیا کی مغایرت دور کی جائے کیونکہ دین دنیا کا تقاضا نہیں ہے وہ ضد ہے تو بے دینی و الٰہی ہے۔ دین دنیا میں رہنے بسنے والے انسانوں کے عمل احوال کو شامل ہے اور وہ ہے اسلام۔ **وَلَا تَدْرِيْ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سَلَامٌ**

وطن پاک میں اس تعلیمی دورنگی اور تدریسی دہلی کے پیش نظر جمعیت اہل سنت والجماعت کو جبراً انوکھی دونوں کی پیش اور کئی شعبوں کے گداز کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ نسلِ نئی صحیح بنیادوں پر تعلیم و تربیت کے لیے تعلیمی ماحول کے اس ڈھنگ بن کر ختم کرنا چاہئے۔ امتداد وقت کے ساتھ ساتھ ارکان جمعیت کی مددوں کی بے تابی اور دلوں کی دھڑکنیں بڑھتی چلی گئیں۔

نتیجتاً ایک لائحہ عمل مرتب کیا گیا اور حتمی فیصلہ کر لیا گیا کہ برصغیر کے عظیم مجدد، دینی میٹرا اور فکری امام حضرت شاہ ولی اللہ کے نام نانی سے منسوب ایک ادارہ قائم کیا جائے جو علوم و فنون کا ایسا سین امتزاج پیش کرے جس میں تعلیم پانے والوں کے مزاج میں علمی ثقافت بھی ہو اور دینی رچاؤ بھی، کردار میں پختگی بھی ہو اور ملکی نظم و نسق کے چیلانے کی پوری فنی مہارت و صلاحیت بھی۔ یہ منصوبہ ملک کے نامور دینی علماء شیخ الحدیث

شعبوں بالخصوص انتظامیہ اور عدلیہ میں سب سے پاکستانیوں اور
چنے چنے مسلمانوں کا بول ادا کر سکیں۔

درس نظامی کے فاضلین کے لیے خصوصی سٹڈی سرکل

درس نظامی کے وہ فارغ التحصیل طلبہ جو حکومت
پاکستان کی حکومتی ملازمت کے لیے مقرر کردہ حد درجہ کاپارک چیکے
ہوں گے اس کیڈر میں داخلے کیسے گے۔ انہیں خصوصی سٹڈی
سرکل میں دو سالہ تربیت دی جائے گی۔ انہیں ضروری انگریزی تعلیم
جدید معلومات اور عصری تحریک سے متعارف کرایا جائے گا۔
مزید برآں تاریخ، معلومات عامہ اور ریاضی سے بھی روشناس کرایا
جائے گا۔

ملازمین کے لیے خصوصی سٹڈی سرکل

وہ ملازمین جو مختلف محکموں میں فرائض انجام
دے رہے ہیں یا وہ کاروباری حضرات جو تعلیم یافتہ ہیں اس
خصوصی سٹڈی سرکل سے مستفید ہو سکیں گے ان کے لیے
اس بات کا اہتمام کیا جائے گا کہ۔

- i- وہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ سیکھ سکیں۔
- ii- عربی گرامر کے بنیادی اصول و قواعد سے آگاہ ہو
کریں سے عملی استفادہ کر سکیں۔
- iii- سیاسیات، اسلام کے بارے میں ان کی معلومات
میں اضافہ ہو سکے۔ بالفاظ دیگر عقائد، معاملات،
عبادات، اخلاقیات اور اسلامی حدود و تعزیرات
کے بارے میں ان کی معلومات وسیع اور مختصراً
ہو سکیں۔

ایسے پی۔ اے کیڈر | اس کیڈر سے وہ طلبہ
استفادہ کر سکیں گے جو ایم۔ اے کی سطح پر اس
(بقیہ صفحہ پر)

دہن عزیز کو ایک فلاحی مملکت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
اس وقت تعمیراتی کمیٹی، نصاب کمیٹی اور مالیاتی کمیٹی
سرگرم عمل ہیں۔ تعمیراتی کمیٹی مختلف وسائل سے ایک ماسٹر
پلان کی تیاری میں مصروف ہے۔ عنقریب تعمیراتی کام شروع
ہونے والا ہے۔ جرنی ایک بلاک پائیکمیل کو پینچ گیا تو میں کام
کا آغاز کر دیا جائے گا انشاء اللہ العزیز۔ اس کے لیے کئی تعمیراتی
مصنوبوں کے طرز تعمیر کے پیش نظر اپنی ضروریات کے مطابق ماہرین
نقشہ سازی میں سرگرم عمل ہیں۔

نصاب کمیٹی نے نصابی خاکہ پیش کر دیا ہے۔ اس کے
لیے حک کے نامور ماہرین تعلیم کی آراء و تجاویز کا بھی جائزہ لیا جا
رہا ہے۔ اتنا وقت کے ساتھ ساتھ اس میں حک و اضافہ
کی گنجائش رکھی گئی ہے تاہم آغاز کار کے لیے درج ذیل کاڈرز
(شعبے) تجویز کیے گئے ہیں۔

اس کیڈر میں وہ طلبہ داخلے
جنرل کیڈر | سکیں گے جو پاکستان کے کسی
منظور شدہ تعلیمی بورڈ سے سیکنڈری سکول ٹرنٹیکٹ کا امتحان
پاس کر چکے ہوں گے۔ یہ طالب علم ریونیورٹی میں ایف۔ اے اور
بی۔ اے کا درجہ نصاب پڑھیں گے جو گجرات، اتر پردیش اور
یونیورسٹی میں رائج ہے تاہم ان کے علاوہ شاہ ولی اللہ یونیورسٹی
کا خصوصی نصاب و معائنہ نصاب پروگرام بھی جزو تعلیم و تدیس
ہوگا۔

درس نظامی کے فارغ التحصیل
فاضل کیڈر | طلبہ جو حکومت پاکستان کی
حکومتی ملازمت کے لیے مقرر کردہ حد درجہ کم عمر ہوں گے
اس کیڈر میں داخلے کے مجاز ہوں گے۔

وہ کسی خاص مضمون میں ایم۔ اے کرنے تک چار
سالہ خصوصی نصاب پڑھیں گے اور انہیں سول سروس کے
مقابلے کے امتحان کے لیے تیار کیا جائے گا تاکہ وہ حکومتی

قرآن و سنت کی تشریح اور جہاں علماء کا کام ہے یا پارلیمنٹ کا؟

کیا قانون سازی کے لیے قرآن و سنت کے علاوہ احوال صحابہ اور جماع امت سے استفادہ بھی ضروری ہے؟

کیا یہ ضروری ہے کہ قانون سازی کی بنیاد ملک کی الشریعی فقہ کو بنایا جائے؟

کیا الیکشن کے بغیر برسرِ اقتدار کرنے والی حکومت سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنا درست ہے؟

پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد سے متعلق چیتے ہوئے سوالات کے بارے میں
مدیر الشریعہ کے استفسار پر عالم اسلام کی ممتاز علمی شخصیت

معالیٰ الدكتور الشیخ جاد الحق علی جاد الحق

رئیس الجامعہ الأزہر کا علمی و تحقیقی مقالہ

عالمِ اسلام کے قدیم ترین علمی مرکز جامعہ ازہر قاہرہ کے موجودہ سربراہ معالیٰ الدكتور الشیخ جاد الحق علی جاد الحق مدظلہ العالی کا شمار ملت اسلامیہ کی ممتاز ترین علمی شخصیات میں ہوتا ہے اور انہیں دنیا بھر کے علمی مراکز اور حلقوں میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مدیر الشریعہ نے گذشتہ سال ان کی زیارت و ملاقات کے لیے قاہرہ کا سفر کیا مگر ان دنوں جامعہ ازہر میں تعطیلات تھیں اور موصوف قاہرہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لیے مقصد سفر کا یہ پہلو نشہ رہا۔ ملاقات و زیارت کے ساتھ ساتھ یہ خواہش بھی تھی کہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد کو جن علمی و فکری مسائل کا سامنا ہے ان کے بارے میں امام اکبر سے راہ نمائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ ملاقات نہ ہو سکنے کی وجہ سے بعض اہم سوالات تحریری صورت میں امام اکبر کے دفتر کے سپرد کر دیے گئے۔ ادارہ "الشریعیۃ" الامام اکبر الدكتور جاد الحق علی جاد الحق کا بے حد شکر گزار ہے کہ انہوں نے متنوع اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود ان سوالات کو ایک مستقل مقالہ کا موضوع بنایا اور اپنے گران قدر ارشادات و تحقیقات کو پورے بسط کے ساتھ تحریر فرمایا۔

پہلے خیال تھا کہ "الشریعیۃ" میں اس وقیع علمی مقالہ کا خلاصہ اردو میں شائع کر دیا جائے لیکن سوالات کی اہمیت، امام اکبر کی تحقیقی کاوش اور مقالہ کی علمی وقعت کے پیش نظر اسے مناسب نہ سمجھا گیا اور یہی فیصلہ کیا گیا کہ مقالہ کا مکمل متن اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جائے تاکہ اہل علم اس سے پوری طرح مستفید ہو سکیں۔

ادارۃ الشریعیۃ کے خصوصی کرم فرما اور گورنمنٹ ٹنگری کالج گوجرانوالہ کے سینئر اسٹاذ پروفیسر غلام رسول عدیو صاحب نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ مقالہ کا ترجمہ کیا ہے جس پر وہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس مرحلہ پر دو امور کی وضاحت ضروری خیال کی جا رہی ہے

ایک یہ کہ "الشریعیۃ" کا بنیادی مقصد و مشن نفاذ اسلام اور اسلامائزیشن کے علمی و فکری مسائل کا حل پیش کرنا اور اس سلسلہ میں اسلام دشمن لابیوں کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے علماء کرام، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور طلباء کو نفاذ اسلام کے لیے ذہنی اور فکری طور پر تیار کرنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اظہار خیال کا ذریعہ قومی زبان اردو کو ہی بنایا جائے اور براہ راست دوسری زبانوں میں مضامین مقالات شائع نہ کیے جائیں۔ اس لیے ادارۃ الشریعیۃ کی عمومی پالیسی انشاء اللہ العزیز یہی رہے گی اور کسی انتہائی اہم استثنائی صورت کے سوا دوسری زبانوں میں مضامین و مقالات

کی اشاعت سے گریز کیا جائے گا تاکہ افادیت میں عموم کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ دوسری وضاحت یہ ضروری ہے کہ ادارۃ الشریعیۃ کا تعلق واضح طور پر چنتی مکتب فکر سے ہے اور وہ اسلامائزیشن کے سلسلہ میں امام ولی اللہ دہلوی کی تعلیمت افکار اور جذب و جہد کا نقیب ہے جبکہ جامعہ ازہر کی علمی عظمت اور روایتی قدر و منزلت کے بھرپور اعتراف کے باوجود علماء ازہر کے فکر و مزاج کا توسع برصغیر کے علمی حلقوں میں ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس مقالہ کے تمام پہلوؤں سے ادارۃ الشریعیۃ پوری طرح متفق ہو، تاہم یہ ایک وقیع اور قابل قدر علمی کاوش ہے جس سے اہل علم کو استفادہ کا موقع نہ دنیا شاید انصاف کے تقاضوں سے ہو آہنگ نہ ہو اور اسے اسی جذبہ اور نقطہ نظر کے تحت شائع کیا جا رہا ہے۔

ہم ایک بار پھر الامام الاکبر معالی الدکتور الشیخ جاد الحق علی جاد الحق کی اس کرم فرمائی پران کے شکر گزار ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت عالم اسلام کو ان کی علمی و دینی مساعی سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (امین بالغائبین) (ادارہ)

کہ جو بھی حاکم برابر اقتدار آئے اس کا اقتدار کامل ہوتا ہے اور وہ
کا اس حکومت سے شریعت اسلام کے نفاذ کا مطالبہ ضروری
ہو جاتا ہے اور یہ حکومت جو قوانین جاری کرے ان کو قبول
کرنا ضروری ہوتا ہے یا قوم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس
حکومت کو چلا کر اس کی جگہ منتخب شرعی حکومت لائے؟

۵۔ قیام پاکستان سے پہلے شہر لاہور میں ایک مسجد پر سکھوں کا
قبضہ تھا۔ آج وہ بند پڑی ہے۔ ایسے ہی بعض مساجد
پر قادیانی گروہ کا قبضہ ہے اور وہ ان کے زیر تسلط ہیں۔ یہی
مساجد کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا حکومت اسلامیہ انہیں
داگر کر کے ان کی تعمیر نو کر سکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جواب

تھکید: چونکہ فقہ اسلامی میں سیاست شرعیہ ایک بہت
بڑا باب ہے لہذا ضروری ہے کہ اس فتویٰ کے موضوعات
سے عمدہ براہ مرنے کے لیے سیاست شرعیہ کے مفہوم اور
اس کے میدان عمل کو سمجھا جائے۔

سیاست شرعیہ کا مفہوم: ابن قیم جوزیؒ اپنی
کتاب "الطریق الحکمیہ" میں لکھتے ہیں:

سیاست وہ عمل پر درگرم ہے جس پر عمل کر لوگ بہتری
سے قریب رہیں اور فساد سے دور رہیں خواہ اسے رسول
نے وضع نہ کیا ہو اور نہ ہی وہ وحی کے طور پر آتا ہو صحابہ
اور تابعین میں سے فقہار و مجتہدین اس ریلے پر عمل کرتے
جو دین کو مضبوط بنانے والی ہوتی اور جس سٹے میں کتاب و
سنت سے کوئی خاص دلیل نہ پاتے تو لٹے اور اجتہاد
کو برصے کار لاتے۔ چنانچہ ہمارے لیے فقہائے اسلام نے
ان شرعی احکام کا جو ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھا، عظیم درجہ
ہے۔ گہمی تو شرعی احکام ثابت غیر متبدل اور غیر تغیر پذیر

و محمد ضرب الغلین والصلوٰۃ والسلام
علی رسولہ وآلہ علیہم السلام
۱۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو چند سوالات پر شتل پاکستان کے
ایک عالم شیخ زاہد الاشہدی کا کتب شیخ الانہر کے دفتر میں عمل
بڑا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ پاکستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ سے متعلق

قرآن و سنت کی روش سے اسلامی قانون سازی کا حق
کس کو حاصل ہے۔ کیا پاکستان کی قومی اسمبلی کے منتخب ارکان
کو ذرہ اس کا حق بھی رکھتے ہیں اور چنے ہوئے بھی یں۔
اور امت اسلامیہ کے عصری مسائل کے حل میں اجتہاد کے
اہل ہوں یا یہ اختصاص پختہ نکر علمائے دین کے بورڈ کو حاصل
ہے جن میں اس امر کے لیے مطلوب شرائط و اذہم اور قوی
اسمبلی کو اس (قانون سازی) سے کوئی واسطہ نہیں؟
۲۔ حکومتی سطح پر سر دست کس قسمی مسلک کو نافذ کیا جائے؟
کیا وہ حنفی مسلک ہو جس کی پاکستانی قوم کی غالب اکثریت
پروردگار ہے اور وہ اہلسنت و الجماعت ہے یا وہ جعفری مسلک
ہو جس کے شیعوں حضرات پیرو ہیں۔

۳۔ اسلامی قانون سازی کے سرچشمہ و ماخذ کے لحاظ سے

کیا اس کے ماخذ کے طور پر باقی سب کو چھوڑ کر محض
کتاب و سنت ہی انحصار کیا جائے گا یا خلفائے راشدین
صحابہ کرامؓ، اہل بیتؑ کے فزادات اور اجماع امت سے
بھی استفادہ کیا جائے گا؟

۴۔ غیر شرعی حکومتوں سے متعلق (یعنی وہ حکومتیں

جو آزادانہ انتخاب کے بغیر تشکیل پذیر ہوں۔
کیا قوم کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسی حکومت سے
شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا مطالبہ کرے۔ اس اعتبار سے

کے قائل ہیں کہ اجماع کے تعارضوں پر عمل ضروری ہے البتہ
خارج، شیعہ اور نظام (اجماع) کو محبت نہیں مانتے۔

پھر قیاس کا زبر ہے۔ اگرچہ جمہور علماء شرعی امور میں اسے
واجب العمل قرار دیتے ہیں تاہم اہل اصول کے اہل اس کی
تعریف میں اختلاف رہا ہے۔ ابن حزم ظاہری اور ان کے
پیروں کا کنایہ ہے کہ قیاس کو مصدر تشریح جان کر اس پر عمل
ہونا عقلی طور پر درست ہے۔ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے
جس کو حل کرنے کے لیے اس کا سارا لینا ضروری ہو مگر شرع
میں امامیہ شیعہ اور نظام (اپنی ایک روایت کی رو سے)
اس طرف گئے ہیں کہ قیاس پر چلنا عقلاً محال ہے اور بھی لائل
ہیں جن میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہیں: عرف، استصحاب،
استحسان، مصالح مرسلہ، استقراء قول صحابی وغیرہ۔ ان
دلائل پر عمل کرنے کے بارے میں علمائے اصول فقہ کے دیگر
نقلی و عقلی اقوال و اختلافات بھی ملتے ہیں۔ جہاں تک
کسی صحابی رسول کے قول، مسلک یا فتوے کا تعلق ہے (جو
دعا سے سوال ہے) اس کے بارے میں آمدی نے اپنی
کتاب **الاحکام فی اصول الاحکام** میں نقل کیا ہے کہ
علماء اس امر پر متفق ہیں کہ اجتہاد کے مواقع پر کسی صحابی کا مسلک
دوسرے مجتہد صحابہ کے خلاف محبت نہیں ہوتا خواہ وہ امام ہو
حاکم ہو یا مفتی ہو۔ البتہ وہ (علماء) تابعین اور تابعین کے مجتہدین
کے خلاف صحابی کی محبت میں اختلاف رکھتے ہیں۔

ہوتے ہیں۔ زمانے اور حالات کے بدلنے سے ان کے
مصلحت میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا اور جس زمانے
میں ان کا استنباط کیا گیا اس زمانے کے لوگوں کے مصالح اور
عرف کی اس میں رعایت رکھی گئی ہوتی ہے۔ چونکہ لوگوں
کے مفادات حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی
لوگوں کا ایک عرف دوسرے زمانے کے عرف سے بالکل
مختلف ہوتا ہے اور کبھی ایک ہی زمانے میں ایک قوم کا عرف
دوسری قوم کے عرف سے مختلف ہوتا ہے۔

پس سیاست شریعہ کی نڈ سے امت کے حکام ایسے
قوانین بنا سکتے ہیں جو ہمیشہ مسائل کو حل کر سکیں لیکن یہ وہ خاص
مسائل ہیں جن کے بارے میں وہ کتاب و سنت، اجماع یا
قیاس سے کوئی خاص دلیل نہیں پاتے اور جو ایک حالت پر
نہیں رہتے بلکہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے بدلتے
رہتے ہیں اور جن کے آثار و نتائج اچانک واقع ہوتے ہیں۔
نیز یہ بات ان احکام سے خاص ہے جن کی کتاب و سنت
اور اجماع میں کوئی خاص دلیل نہیں ملتی اور نہ ہی ان کے موقع و
عمل کی کوئی نظیر ملتی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
حکم پر ان کو قیاس کیا جاسکے۔ چنانچہ ایسے مسائل کو
حل کرنے کے لیے قواعد فقہ کی طرف رجوع کیا جائے گا
مثلاً رفع حرج، دفع ضرر

ب۔ اسلام میں شرعی احکام کے سرچشمے کی بابت

اس امر میں مسلمانوں کا کبھی اختلاف نہیں رہا کہ قرآن
کریم عبادات، معاملات، عقائد اور اخلاقیات کے
گوناگون شرعی احکام کا سرچشمہ اولین ہے اور یہ کہ سنت
نبوی قولی، فعلی یا تقریری قانون سازی کا دوسرا مصدر ہے
اگرچہ سنت کی روایات کے اتصال و ثبوت کی شرائط میں
اختلاف رہا ہے۔

پھر اجماع کی باری آتی ہے۔ جمہور علماء اس بات

اشاعرہ، معتزلہ، امام شافعی اپنے ایک قول میں امام احمد
بن حنبلؒ اپنی بیان کو دو روایتوں میں سے ایک میں اور کرخیؒ
اس بات کے قائل ہیں کہ تابعین و تبع تابعین کے خلاف
صحابی کا قول محبت نہیں۔ امام مالک بن انسؒ، امام رازیؒ
احناف میں سے بزرگی، اپنے ایک قول میں امام شافعی اور
امام احمد بن حنبلؒ اپنی بیان کردہ ایک روایت میں اس
بات کے قائل قول صحابی قیاس کے خلاف محبت ہے۔
علماء کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ اگر قول صحابی

دیکھ کر وہ مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ چونکہ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ وہ انہیں کے بغیر فتویٰ شاذ نہ ہی دیتے تھے اس لیے آسان معاملے کے علاوہ واضح حکم سے فتویٰ دیتے تھے لہذا اگر سماج کی منفی بھی کی جائے تو ہمیں صحابی کا قول کسی دوسرے کی نسبت راستی سے زیادہ قریب ہے۔ جہاں تک امام شافعیؒ اور ان کے تبعین کا تعلق ہے ان کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کے فتوے ان مسائل میں جس میں انہوں نے رائے سے اجتہاد کیا ہے حجت نہیں کیونکہ ان کے یہ فتویٰ انفرادی فتوؤں کی حیثیت رکھتے ہیں اور غیر مصورین کے فتوے ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ کے بارے میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کے انفرادی فتوؤں میں سے کوئی بھی فتویٰ لے لیتے ہیں اور خود بھی ان کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ اور یہ طرز عمل ان فتاویٰ کے بارے میں ہے جو صحابہ اپنی رائے سے دیتے ہیں اور جو وہ رائے سے نہیں لیتے اس کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث کی طرح ہے اور جمہور کی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے اخذ کرنا واجب ہے۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ صحابی کے قول یا فتویٰ سے مزاد وہ مسئلہ ہے جس میں اس نے اجتہاد کیا اور جب یہ منقول ہو کر یقیناً صحابی کی سنت ہے یا یہ نفل کی سنت ہے تراکثر فقہاء اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ہی محمول کرتے ہیں۔ اس ضمن میں احناف میں سے ابو الحسن کرخی نے اختلاف کیا ہے؛ تاہم پسندیدہ (قابل ترجیح) مسلک جمہور علماء کا ہے جیسا کہ آمدی نے (لا حکم الا للہ) میں، شاطبی نے (مواہفات) میں اور کمال بن ہمام نے (الصحیح) میں نقل کیا ہے۔

قرآن و سنت - سلاطین و سلاطین کی بنیاد

قرآن کریم میں انسانوں کی معاش و معاد کے جلد مسائل کا

قیاس کا مخالف ہو تو حجت ہے ورنہ نہیں۔ دوسروں کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا قول حجت ہے۔ انہی دونوں کے علاوہ کسی کا نہیں۔ پھر آدمی نے کہا کہ پسندیدہ امر یہ ہے کہ یہ (قول صحابی) بالکل حجت نہیں۔ اس نے ان اقوال کے لیے دلائل بھی پیش کئے ہیں یہ (صورت حال) اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہانِ فانی سے اٹھ جانے کے بعد چاہے ایسے حالات پیش آئے جن کے لیے کوئی صریح حکم نہ تھا اور نہ کوئی خاص حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ترجیحاً پیش کی جاسکتی تھی۔ اس صورت میں صحابہؓ نے اجتہاد کیا۔ اکیلے اکیلے فتوے دیے۔ تبعیہ ان واقعات سے متعلق ان کے فتوے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے بالآخر قانون سازی کے سلسلے میں ان فتوؤں کے مقام و مرتبہ کے بارے میں ائمہ کرام میں اختلاف پیدا ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروؤں کا اختلاف صحابہ کے ضمن میں طرز عمل یہ تھا کہ وہ صحابہ میں سے کسی ایک صحابی کا فتویٰ لے لیتے۔ نہ تو کسی ایک کے پابند ہوتے اور نہ ہی سبھی کا انکار کرتے۔ اس امام جلیل (ابوحنیفہؒ) کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جب کتاب اللہ سے کوئی حکم مل جائے تو میں اس کو لے لیتا ہوں اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان صحیح احادیث پر انحصار کرتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے ذریعہ پھیلیں۔ اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی حکم نہ پاؤں تو صحابہ کرام سے جس کا قول چاہوں لے لیتا ہوں۔ پھر ان کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا قول اختیار نہیں کرتا۔ جب ابوبکرؓ نے (شعبی حسن) (بصری) ابن سیرین، سعید بن مسیب، قتادہ، آپینے تو جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی کرتا ہوں۔ امام مالک نے بھی صحابی کا قول اخذ کرنے میں عموماً ابوحنیفہؒ کا طرز عمل اپنایا ہے۔ یہ اس لیے کہ صحابی کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماج کا گمان ہو سکتا ہے۔ قرآن کو

ہم۔ جو شخص قرآن کریم سے براہ راست شرعی احکام کا استنباط کرنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قواعد استنباط سے آگاہی حاصل کرے۔ چنانچہ جس شخص میں بلا واسطہ استنباط کی شرطیں داخل ہوں گی جب اس میں مکرر کوتاہیاں اور دوسری استعدادیں بھی پائی جائیں تو اس کے لیے استنباط کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ یہی طریقہ ائمہ مجتہدین کا تھا۔ جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہر وہ علماء مجتہدین سے دریافت کرے۔ فرمان الہی ہے۔ "اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دریافت کرو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل علم اور فقہ کا شوق دلایا ہے۔ فرمایا: اللہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ آپ نے نہ جاننے کے باوجود علم کا دعویٰ کرنے اور نفی دینے سے خوف دلایا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ بندوں سے علم یک نخت نہیں کھینچتا بلکہ علم کے اٹھانے سے علم اٹھانے کا تا آنکہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار (پیشوائے دین) بنا لیں گے۔ وہ انہیں بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

جب اجتہاد کا یہ حکم ہے اور

تقلید کا حکم

مجتہدین مختصر ان شرائط کا بکتر پایا جانا ضروری ہے جو شخص بہتر طور پر اجتہاد نہ کر سکتا ہو اور نہ ہی اس میں یہ شرطیں کثرت سے پائی جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ وہ دوسری تقلید کو سے یا نہ کرے؟ کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ہی مسلک سے وابستگی رکھے؟ کیا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشہور اور معروف مسالک میں سے کسی خاص مسلک سے وابستہ رہے؟

تقلید کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے: اول: تقلید بالکل جائز نہیں کیونکہ ہر مسلمان مکلف پر واجب ہے کہ وہ اپنے امور دین میں اس کے صحیح ماخذ سے استفادہ

حل موجود ہے۔ وہ مسائل عقیدہ سے متعلق ہوں یا عبادت یا اخلاق سے۔ انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی وہ سب میدانوں میں (ان کے حل بتاتا ہے)۔ فرمان الہی ہے: "ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ہر شے کو کھول کر بیان کرتی ہے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے والوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔"

قرآن حکیم کا بیان بیخ کبھی تو نص و تصریح سے ہوتا ہے کبھی اشارہ و تمییز سے جس سے مجتہدین کے لیے ہر مسئلے میں استنباط احکام اور ہر شکل کے حل کے لیے میدان کھل گئے وہ امر جو قرآن کے سرچشمہ عطا ہونے اور ہر زمانے اور ہر مگر دین کی بہتری کو سامن ہے۔ وہ قرآن کے ہر چیز کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا کتاب ہدایت و رحمت ہونا بھی ہے۔

مگر (سوال یہ ہے کہ) ہم اس سے اپنے احکام کیسے اخذ کریں جبکہ امت اسلامیہ اس حقیقی آئین سے اب تک اپنے جملہ قوانین (بنانے) کے لیے مددیتی رہی ہے۔ بلاشبہ استنباط (کی صورت) میں وضع قوانین ایک نوع کا اجتہاد ہی ہے خواہ وہ فقہی مسالک کے ذریعے ہو یا اصلی شرعی دلائل کے ذریعے۔ استنباط کی صورت کوئی سی بھی کیوں نہ ہو اس کے لیے درج ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ علوم قرآن کی، مدنی، ناسخ، منسوخ اور حکم و مشابہ و فریہ آیات سے مکمل آگاہی۔

۲۔ قرآن کے اجمال کی تفصیل اور قرآن کے مہم کی درجہ کے لیے سنت نبوی کی پہچان بھی ناگزیر ہے۔

۳۔ نص کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کے علوم پوری آگاہی ضروری ہے (کیونکہ ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں اور ایک معنی کے لیے متعدد الفاظ عربی زبان الفاظ و اسالیب کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔

مجتہد نہ تھے۔ ان میں کے عام لوگ اجتہاد کرنے والے لوگ رجوع کرتے تھے۔ اچانک پیش آنے والے واقعات کے بلوے میں ان سے فتویٰ پوچھتے۔ ان کا پوچھنا کسی کو ناولد نہ ہوتا بلکہ ان میں کے مجتہد حکم الہی کے مطابق سائلین کی تسفیٰ کرتے۔ یہ منقول نہیں کہ ان پر چھنے والوں کو اجتہاد کا حکم دیا گیا۔

صحابہ سے اجماع کے طور پر یہ معلوم تھا کہ جو شخص کسی شرعی حکم کو نہ جانتا اسے اس حکم کے بارے میں اجتہاد کا مکلف نہیں کیا جاتا تھا۔ اس پر لازم تھا کہ وہ اہل علم سے اس بارے میں پوچھے اور ان کے فتووں پر عمل کرے۔ تابعین کا عمل بھی اسی طرح جاری رہا۔

ثالثاً: لوگ سمجھ بوجھ اور دلائل دینے کی قوت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں دراصل ایک دین میں اجتہاد کرنے اور مصادر سے احکام کے استخراج کے لیے کئی شرائط درکار ہیں بلکہ یہ تریک ایسی صلاحیت ہے جو سب مسلمانوں میں وافر نہیں۔ سوا کسی شخص کو ایسی تکلیف کا مکلف کر دیا جائے جس کی اس میں طاقت نہ ہو تو یہ تکلیف بالاطلاق ہوگی۔ اسی لیے اللہ نے صاحب استطاعت پر فرض کر دیا اور عام مسلمانوں سے تنگی اٹھالی جیسے سورہ بقرہ کی آیت میں آیا ہے:

”اللہ کسی جان کو اس کی قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“

مزید برآں یہ کہ اگر ہر مسلمان پر اجتہاد فرض کر دیا جاتا تو مسلمان کے لیے سائنس و شرعی علوم کے لوازمات کی تحصیل کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہو جاتا اور یہ بات معاشی مفادات، ضروریات زندگی اور معمولات حیات سے کٹ جانے پر منتج ہوتی۔ ان مفادات کے عدم حصول سے سوسائٹی کے نظام میں بگاڑ بکھتا ہی پیدا ہو جاتی۔ مزید برآں حق سبحانہ تعالیٰ کا سورہ توبہ کی اس آیت میں یہ فرمان ہے:

”پس کیوں نہ کیا گیا کہ مومنوں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ دین میں فہم دے“

کرے اور پیش آمدہ واقعات میں اجتہاد کرے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کے بعد اس کا اجتہاد جس نتیجے پر پہنچائے اس پر عمل کرے۔ دوم: اجتہاد کا جائز نہ ہونا اور تقلید کا واجب بننا۔ اس قول کے لیے دلیل یہ ہے کہ وہ امر مجتہدین جن کے سپرد امت نے یہ کام کیا تھا وہ تو گزر چکے۔ ان کے بعد اجتہاد درست نہیں۔ اب ان کی تقلید واجب ہے۔ سوم: جو درجہ اجتہاد کو نہ پہنچ سکے اس پر تقلید کا واجب ہونا۔

ان اسباب کی بنا پر جن کو ہم اختصاراً ذیل میں درج کرتے ہیں یہی رائے پختہ ہے۔

اولاً: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے امور دین سے متعلق تنگی دور فرمادی ہے۔ سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور تم پر دین کے سلسلے میں کوئی تنگی نہیں۔“

اگر اجتہاد ہر مسلمان پر واجب ہوتا جیسے کہ پہلی رائے والوں کا کہنا ہے تو لوگ سخت تنگی میں پڑ جاتے اور ان کے مفادات کا حصول رک جاتا کیونکہ ہر مسلمان ذاتی طور پر احکام دین میں اجتہاد کا اہل نہیں بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی سلسلے میں نہ جاننے والے کو اس سے پوچھنے کا حکم دیا ہے جو اسے جانتا ہے۔ سورہ انبیاء میں فرمایا۔

”اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (جاننے والوں) سے کہو“

یہ فرمان الہی لوگوں کے علم اور تحصیل علم میں فرق پر واضح دلیل ہے۔ یعنی جو نہیں جانتا اسے جاننے والے سے پوچھنا ضروری ہے۔ ورنہ پوچھنے پر جواب دینے سے متعلق اس آیت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے ہر مسلمان کو تقلید سے منع کرنے اور اس پر اجتہاد کے واجب ہونے کا قرآن و قرآنی نص کے خلاف ہے۔

ثانیاً، صحابہ کرام اور تابعین سارے کے سامنے

بعیرت پیدا کرے اور (جب تعلیم و تربیت کے بعد) وہ اپنے گروہ میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل و غفلت کے نتائج سے) ہشیا کرتی تاکہ برائیوں سے بچیں۔“

آدمی، ابن حجاب، کمال بن ہمام، رافعی وغیرہ نے یہی طرز فکر اپنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی مسلک سے وابستگی واجب نہیں کیونکہ واجب تو وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے واجب قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے یہ واجب نہیں گردانا کہ کوئی شخص مجتہدین میں سے کسی امام معین کے مسلک سے تمسک کرے، دین میں صرف اسی کی تقلید کرے اور اس کے علاوہ دوسرے سب کو چھوڑ کر اسی مقرر کردہ طریقے کو اپنائے۔

کمال ابن ہمام کی "التحریر" کی شرح لکھتے ہوئے ابن ابیر حاج نے اس ضمن میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے:

"پھر اصول ابن مفلح میں ہمارے بعض اصحاب (یعنی حنابلہ، مالکیہ، شافعیہ) نے ذکر کیا ہے کہ کیا کسی مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اس کی رخصتوں اور عزیمتوں کو لیا جاسکتا ہے؟ اس میں دو رائے ہیں۔ ان میں مشہور تر یہ ہے کہ نہیں (کسی خاص مسلک کو نہیں اپنایا جاسکتا) جیسے کہ جمہور علماء کا خیال ہے۔ پس

(اس معاملے میں) بہتر ہے لینا چاہیے.... بعض پیران امام احمد بن حنبلہ سے منقول ہے کہ امام نے فرمایا (کسی خاص مسلک کی) رخصتوں اور عزیمتوں کے اخذ کرنے میں التزام کرنا صحیحی اللہ علیہ وسلم کے حکم (تعلیمات نبوی) کی اطاعت کے خلاف ہے اور یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔ ابن حاج نے اس کے جواز کے بارے میں تردد کیا پھر یہ نقل کیا: "قرن فاضلہ (قرن مشہود لہما بالحنہ) (مجھے زمانے) اس قول کے بغیر ہی گزر گئے (یعنی کسی مقرر مسلک سے وابستگی کے قول کے بغیر) بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ)

یہ فرمان الہی دین میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے ایک ایسے گروہ سلیم کو خاص کر دینے کی طرف توجہ دلاتا ہے جو جامع الباطن ہیں کہ دین کی طرف دعوت دے اور امور دین میں فترے دے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان کے لیے جو درجہ اجتماع کو نہ پہنچنا اور اس کے پاس اجتماع کے لوازم بکثرت نہ ہوتے بے حد ضروری تھا کہ ان مجتہدین میں کسی ایک کی تقلید کرے جن کے مذاہب پچھلے۔ احوال، اصول اور فروع معروف ہونے اور انہ کرام نے ان کے اجتماع کو مستقبل بنی۔ بصورت دیگر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل علم سے ان احکام شریعہ کے بارے میں استفسار کرے جو اس سے پرشیدہ رہے یا اس کے علم میں نہیں آنے، خواہ وہ احکام عبادات سے متعلق ہوں، معاملات کے بارے میں ہوں آداب کے بارے میں ہوں یا سیرت و عین وغیرہ کے بارے میں ہوں۔

پھر یہ سوال آتا ہے کہ کیا مقلد پر کسی مقررہ مسلک کی پابندی ضروری ہے؟ سچی بات وہی ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ کسی خاص مسلک کی پیروی اس حیثیت سے ضروری نہیں کہ اس سے نکلنا جائز نہ ہو۔ بلکہ یہ درست ہے کہ کسی مسئلہ میں امام اہل سنت کے قول پر عمل کرے تو کسی دوسرے مسئلہ میں مالک اور شافعی کے قول پر عمل پیرا ہو۔

یہ یقین بات ہے کہ صحابہؓ اور تابعہ کے ہر زمانے میں فتویٰ پوچھنے والے ایک مرتبہ ایک مجتہد سے مسئلہ پوچھتے تھے تو دوسری مرتبہ دوسرے مجتہد سے استفسار کرتے تھے۔ کسی ایک ہی معنی کا التزام نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اگر کوئی مقلد کسی خاص مسلک کا پابند ہوگا تو اپنی تقلید میں ہمیشہ اس کا پابند نہ رہ سکے گا۔

عامی کے لیے کوئی خاص مسلک درست ہی نہیں خواہ وہ کسی بھی مسلک سے وابستہ کیوں نہ ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی مذہب کا پیرومن وہ شخص بن سکتا ہے جس کا اپنے خیال کے مطابق اپنے مسلک کے بارے میں ایک اعلیٰ نظر ہو، طرز استدلال ہو اور زاویہ نگاہ ہو، یا وہ شخص جس نے اس مسلک کے فردی مسائل کی کوئی کتاب پڑھی ہو اور اپنے امام کے فتوے اور اقوال کو جانتا ہو اور جو شخص اس کی قطعی اہمیت نہیں رکھتا صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ میں حنفی ہوں یا شافعی وغیرہ ہوں وہ محض یوں زبانی کلامی کیوں امر کرتا ہے.... الخ

اشرف تعالیٰ

اولی الامر کون ہیں؟

۱۰۔ اے اہل ایمان اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی مانگو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ بھی ہے:

"اور اگر یہ لوگ اسے رسول کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالے کر دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔"

وہ صاحبان امر کون لوگ ہیں جنہیں حق استنباط حاصل ہے؟ کیا گیا وہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا امت نے معیت کر کے حکومت سونپی ہو۔ امام خود ہی فرماتے ہیں۔ اولوا الامر۔ جس پر کہ مفسرین و فقہاء وغیرہ میں سے جمہور ملت ہیں، وہ ہیں جو وال اور امیر ہیں اور ان کی فرمانبرداری اللہ نے ضروری قرار دی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ عالم لوگ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد علماء و امراء (دردنوں) ہیں بعض کس لئے یہ ہے کہ وہ حکام، امراء اور وال ہیں۔ اس طرح اولوا الامر ایسے اہل لئے

اور اہل علم ہیں جو سبیل شریعتی کے مانند سے ہیں کیونکہ جب اسلامی نظام مجلس شوریٰ پر قائم ہو گا تو حکام اور فرمانروا ان سے ان معاملات میں مشورہ طلب کریں گے جن کے بارے میں کوئی صریح حکم وارد نہیں ہوا۔ اگر ان میں اختلاف واقع ہوا تو اسے قرآن اور آپ کی صحت سیرت اور آپ کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جاننے کے بعد آپ کی سنت کے مقابل رکھا جائے گا۔ تنازع کی صورت میں ہی درج ذیل (قرآن و سنت ہی) ثابت ہوں گے

د۔ انتخاب فرمانروا کے بارے

میں امت کا موقف

اسلامی حکومت کا قائم کرنا — ان معنوں میں کہ سکاڑا کے معاملات کی سپردگی کے لیے حاکم مقرر کیا جائے۔ یہ ایک امر واجب ہے جس پر صحابہ کرام کے زمانے سے مسلمانوں کا اجماع رہا ہے۔

اس کام کی اہمیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد سب سے پہلا کام جس میں صحابہ مشغول ہوئے یہی تھا۔ ابھی آپ کی تدفین نہیں کی تھی کہ وہ انتخاب خلیفہ سے فارغ ہو گئے۔ اللہ وادی نے "الاحکام السلطانیہ" میں لکھا ہے۔ جب امامت کا وجہ ثابت ہو جائے تو جہاد اور طلب علم کی طرح فرض کفایہ ہو گا۔ جب وہ شخص جو اس کا اہل ہے یہ فرض ادا کرنے پر راضی ہو جائے گا تو سب لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ اگر کوئی بھی اس فریضے کو اپنے دئے نہ لے تو لوگوں میں سے دو فریق نکلیں۔ پہلا فریق۔ انتخاب کرنے کے اہل لوگ تا آنکہ امت کے لیے امام منتخب کریں۔ دوسرا۔ امامت کے اہل لوگ تا آنکہ ان میں سے ایک امامت کے لیے اٹھے۔ مطلب یہ کہ وہاں کچھ رائے دہندگان ہوں گے اور کچھ امامت کے امیدوار۔ رائے دہندگان کی جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں ان میں دوسری شرطوں کے ساتھ سب سے اہم چیز عدالت ہے اور امامت کے مستحق کے لیے دوسری شرائط کے ساتھ جس علم کا جاننا ضروری ہے وہ (اصابت) رائے اور (گری) حکمت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی بیعتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک بیعت تو وہ ہے جو انصار مدینہ نے عقبہ کی شب مکہ میں کی تھی۔ ایک بیعت وہ ہے جو خواتین نے کی تھی۔ ایک بیعت رضوان ہے جو حدیبیہ میں درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ ان میں وہ بیعتیں نہیں جو انفرادی طور پر لوگوں نے کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر سننے اور ماننے کی بیعت کرتے تھے۔ آپ ہم سے فرماتے "اس بائے میں بیعت کرو جس کی تم میرے استطاعت ہو۔"

بیعت (در اصل) قوم اور قوت کے درمیان نیکی کے کاموں میں تعاون ہے۔ جب بیعت ہو چکے تو اس کا لازم کچھ نا ضروری ہے۔ جب تک حاکم راہِ راست پر رہے اس کا نہ ٹوٹنا ضروری ہے۔ یہ اس لیے کہ بغیر کسی صحیح وجہ کے بیعت کر کے اس کا توڑ دینا اور نئے کے پاسداری نہ کرنا جماعت سے خروج (کے مترادف) ہے۔ اس میں وہ فتنہ ہے جو قوم کی قوت کو کمزور کر دیتا ہے اور دشمنوں کے لالچ کے لیے میدان وسیع برتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں اس کے بارے میں بڑے واضح احکام آئے ہیں۔

۵ مسلمانوں کا اس حاکم کے بارے میں موقف جو بغیر انتخاب کے حاکم بن بیٹھا ہو

کبھی بغیر بیعت، بغیر امیداری اور بغیر انتخاب کے بھی حکومت پر قبضہ و اختیار ہو جاتا ہے۔ اگر حاکم مسلمان ہو تو مجھے کاموں میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص جلیل القدر صحابی تھے اسے کسی سوال کرنے والے نے حضرت معاویہ کے بارے میں جو اقتدار پر قابض ہو گئے تھے اور جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی جماعت سے بچواؤں کی تھی، پوچھا: آپ نے فرمایا جب وہ اللہ کی فرمائندگی کریں

جو بہترین امیدواروں کے چناؤ پر منتج ہوتی ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ رائے دہندگان خلق، امانت، ذمہ داری اور حسن نیت کی خاص سطح کے آدمی ہوں۔ جو شرطیں امیدوار میں پائی جانی چاہئیں ان سے خوب باخبر ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ امیدواروں میں تجربہ و دانائی کے موازنہ کرنے کا علم و ادراک رکھتے ہوں۔ ان میں سے (جو کسی امیدوار میں پائی جانی چاہئیں) اہم ترین شرطیں یہ ہیں۔ وہ منصف ہو، بھراؤں میں اجتہادی اہمیت کا علم رکھتا ہو، رعایا کی قیادت اور مضادات کی تہذیب پر منتج ہونے والی رائے کا مالک ہو۔

بلاشبہ رائے دہندگان اور امیدواروں کے لیے وضع کردہ یہ شرائط اور پیمانے ان تمام رخنوں کو بند کرنے کے لیے کافی ہیں جن کی انتخابات کی سرگرمیوں کے دوران میں اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں۔ کسی بھی مقصد کے لیے کسی بھی شکل کے جو اسٹاپ پوچھے جاتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں۔

مسوات اور دیانت یا علم اور خلق یا برد میں یہ شرائط خالص ہو جاتی ہیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب مصر کے سربراہ مالیات ہونے کی خواہش کی تھی "کہیں محافظ اور باخبر ہوں" قرآن کا یہ قول ان شروط کا جامع ہے۔ اور قرآن پاک میں بڑھے بزرگ کی بیٹی کی بات جو اس نے حضرت موسیٰ کے بارے میں کی کہ "اچھا ذکر وہ ہے جو قوت والا اور امانت دار ہو" (بھی ان شروط کا جامع ہے) جب امام کا انتخاب ہو چکے تو اچھے کاموں میں اس کی بات کے سننے اور ماننے میں بیعت ہوگی جبکہ اس کے مقابلے میں امام جماعت مسلمین کے سامنے اپنے فرائض کی انجام دہی کرے گا۔ عصر حاضر کے طریقے آئے انتخابات میں سے کوئی بھی طریق انتخاب کافی ہے کیونکہ جس نے کسی حق میں وودٹ دے دیا گو یا وہ اس کی امانت پر راضی ہو گیا تو اس کی اطاعت لازم ہوگی۔ بیعت اپنے معدود معنوں میں لوگوں اور خلیفہ، امام، امیر یا حاکم کے درمیان ہوگی۔

ہایت یافتہ ہیں۔“

اسلام میں مسجدوں کی اہمیت کے بارے میں فقہاء نے ان کے احکام کو بیان کرنے اور ان کی تعمیر میں بڑی توجہ صرف کی ہے۔ ان کی حفاظت کرنے کی بڑی ترقیب لالٹ ہے۔ مسلمانوں کے سلف صالحین نے ان پر خرچ کرنے کے لیے اذوق قائم کئے تاکہ شعائر کے معطل و مختل ہو جانے کے پیش نظر یہ اذوق بے آباد نہ ہو جائیں۔

مسجدوں کی حفاظت کی غرض سے اور ان کی عمارتوں کو قائم رکھنے کے لیے فقہ شافعی میں واضح احکام ہیں کہ جب لوگوں کے شہر سے نکل جانے، شہر کے دیران ہو جانے یا مسجد کے دیران ہو جانے کی وجہ سے بھی مسجد کسی کی ملکیت قرار نہیں دی جاسکتی۔ تاہم محمد بن حسن کے اختلاف کے علی الرغم نہ تو اس کا خریدنا جائز ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تصرف روا ہے۔

مالکی فقہ میں بھی یہی صورت حال ہے؛ تاہم فقہائے مالکیہ نے مسجد کے بائے میں اس امر کی اجازت دی ہے کہ جب وہ دیران ہو جائے اور بگاڑ کی وجہ سے وہ ٹوٹ پھوٹ جائے اس کی عمارت منہدم ہونے لگے تو اس کے بیچ لٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی قیمت سے کوئی دوسری مسجد خرید لی جائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ میں ہے کہ جب مسجد اس حال میں ہو جائے کہ اس سے مقصد براری نہ ہو رہی ہو مثلاً وہ اہل مسجد کے لیے اس قدر تنگ ہو جائے کہ اس کی توسیع ممکن نہ رہے یا وہ علاقہ ہی برباد ہو جانے جس میں مسجد واقع ہے اور وہ منہدم طلب نہ رہے تو اس کا بیچنا جائز ہے اور اس کی قیمت کسی دوسری مسجد کی تعمیر میں صرف کر لینے کی اجازت ہے جس کی اپنی جگہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہو۔

فقہ حنفی میں ہے کہ جب مسجد دیران ہو جائے اور اس کو

ان کی فراہم کردہ اور جب اللہ کی نافرمانی کریں تو ان کے نافرمانی کر دو۔ آپ نے ان سے رٹنے اور ان سے خروج کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ سہل بن عبد اللہ تسری سے بھی ایسا ہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ان کی بات قبول کر دو۔ اپنے جس حق کا وہ تم سے مطالبہ کریں تمیں وہ ادا کرنا ہوگا۔ نہ تم ان کے کاموں سے انکار کرو نہ ان سے راہ فرار اختیار کرو۔ ابن خزیمہ مذاہنہ لکھا۔ اس کی بیعت پوری کرنی ہو گی جو حکومت پر آدھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا۔ فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ اقتدار پر قابض ہو جانے والے سلطان کی اطاعت لازم ہے اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا ضروری ہے۔ اس کی اطاعت اس کے خلاف خروج سے بہتر ہے کیونکہ اس خوزیری سے بچاؤ ہوگا اور بڑے بڑے گا۔ استثنائی صورت اس وقت ہوگی جب سلطان نے کھلا کفر کیا ہو۔ اس صورت میں اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ ہر صاحب مقدرت کو اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے۔

کافروں کا مسجد پر قبضہ

فرمان الہی ہے:-

”اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے توڑھائے جاتے تھکے اور مردے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ بے شک اللہ زبردست زور والا ہے۔“

فرمایا: ”وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جوامیان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا، مال زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سر شاید ایسے ہی لوگ

نئے نئے مسائل جن کے لیے کتاب و سنت، قیاس یا اجماع میں کوئی خاص دلیل نہیں ملتی اس کو پورا کریں۔ ان مسائل کے لیے قواعد کے ان مراجع سے رجوع کرنا ہوگا۔ دفع حرج، رفع فراء، سد ذرائع کے اصولوں پر عمل عرف، استصحاب استحسان، مصالح مرسد۔

ثالثاً: اسلامی قانون سازی کے سرچشمے چار ہیں۔ ان میں سے دو تو ایسے ہیں کہ امت میں ان سے کسی کو اختلاف نہیں اور وہ ہیں قرآن اور سنت۔ دو ایسے ہیں کہ جمہور فقہان کی مجتہدیت پر متفق ہیں اور وہ ہیں اجماع اور قیاس اور جو ان چار آخذ کے علاوہ ہیں یعنی استحسان، استصحاب، مصالح مرسد، عرف، قول صحابی اور ان مصادر کے بارے میں علم اصول فقہ میں خاصا اختلاف ہے۔

سہم جہاں تک قول صحابی یا اس کے مذہب یا فتویٰ کا تعلق ہے مثلاً

علماء اس امر پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ صحابی کا مذہب اجتناد کے مواقع پر دوسرے مجتہد صحابہ پر حجت نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ تابعین اور ان کے بعد کے مجتہدین پر اس کے حجت میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ قول صحابہ حجت نہیں۔ امام شافعیؒ کے دونوں میں سے ایک قول یہی ہے اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے۔ ان کے پیرو علماء کا نقطہ نگاہ یہی ہے۔ بعض کا میلان اس طرف ہے کہ حجت کو قیاس پر تقدم حاصل ہے۔ امام مالکؒ کا یہی قول ہے اور امام شافعیؒ کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی دو روایتوں میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور بعض علماء حنفیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اگر (قول صحابی) قیاس کے خلاف ہو تو حجت ہے۔ در نہ نہیں۔ کچھ دوسرے علماء کی یہ رائے کہ حجت صرف ابو بکرؓ اور عمرؓ کے اقوال میں ہے باقی میں نہیں۔ بعض نے یہ اندازہ فکر بھی اختیار کیا ہے کہ قول سے

آباد کرنے والے زر ہیں یا لوگ اس سے بے نیاز ہو کر دوسری مسجد تعمیر کر لیں یا یہ کو دریاں تر نہ ہو کر لوگ اس کے ارد گرد سے چلے جائیں اور وہ اپنی بستی کے دریاں ہو جانے کی وجہ سے مسجد سے بے نیاز ہو جائیں تو.... امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے سنیخین یعنی ابو یوسفؒ اور محمد نے اختلاف کیا ہے امام ابو یوسف نے فرمایا۔ وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔ اگر لوگ اس سے بے نیازی بھی اختیار کر لیں تو بھی وہ وقف کنندہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی۔ کس دوسری مسجد میں اس کا طبر اور اشیائے ضرورت لے جانا جائز نہیں۔ اکثر فقہاء نے ابو یوسف کے قول کی تائید کی ہے اور ابن ہمام نے فتح القدر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ ان سے یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ وہ مالک کی طرف نہیں لڑے گی بلکہ اس کا طبر اور اشیائے ضرورت کسی دوسری مسجد میں صرف کی جائیں گی۔ صاحب المسائل نے اسی فتویٰ کو نچتر قرار دیا ہے۔ بعد کے بہت سے علماء نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ امام محمد کا فتویٰ یہ ہے کہ وقف کرنے والے کی ملکیت میں چل جائے گی بشرطیکہ وہ زندہ ہو اور اگر وہ مر چکا ہو تو اس کے وارثوں کو وہ (طبر اور اشیائے ضرورت) منتقل ہو جائے گا۔

نتیجہ تہذکرہ تحریر سے مندرجہ ذیل اصول حاصل ہوتے ہیں:-

اولاً: اسلامی شریعت اپنے ان کلی اصولوں اور بنیادی قواعد کے ساتھ جن کا مقصد ہمیشہ انصاف قائم کرنا ہے مفادات کے تحفظ اور دفع حرج کی ذمہ دار ہے۔ اس کا مقصد حصول نفع اور دفع مضر ہے تاکہ امت راہ اعتدال پر سیدھا چلتی رہے۔

ثانیاً: سیاست شرعیہ ایک ایسا شعبہ ہے جو حکمرانوں کو امت سے متعلق اجازت دیتا ہے کہ وہ ایسے قوانین جاری کریں جو اس امت کے مفادات کو ثابت کریں اور حاجت مند کی پیش آمدہ ضرورت کو پورا کریں اور وہ

(صحابی) قطعاً حجت ہے ہی نہیں۔

ب۔ بلاشبہ جس میں صحابہ نے اجتہاد کیا اور انفرادی سطح پر فتویٰ دیا اور ان کے فتوؤں میں اس معاملہ میں اختلاف ہو تو ائمہ مجتہدین میں قانون سازی سے متعلق اس فتویٰ کے مقام و مرتبہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تبعین کی رائے یہ ہے کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ صحابہ میں سے کسی ایک کا فتویٰ لے لے اور کسی ایک ہی کے فتاویٰ پر انحصار نہ کر لے اور نہ ہی ان سب سے نکل جائے۔ امام مالکؒ عام صورت میں قول صحابی سے استفادہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے اتفاق کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور ان کے تبعین کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کے فتوے جن میں رائے کو دخل ہو حجت نہیں۔ اسی وجہ سے ان سے منعقول ہے کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ صحابہ سے انفرادی فتوؤں میں سے کوئی سا بھی فتویٰ لے اور وہ اس کے خلاف بھی فتویٰ دے سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جس میں رائے سے ادراک کیا جاسکتا ہے اور یہی بہتر ہے۔

جس میں رائے کو دخل نہ ہو تو اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع حدیث کو لینا ہرگز۔ جمہور علماء کے نزدیک اس سے اخذ کرنا ضروری ہے اور جو امام شافعیؒ نے مذہب اختیار کیا ہے وہ زیادہ قابل قبول ہے۔ تاہم جس پر صحابی کی سنت کا اطلاق ہو یا بقول اس کے سنت سے..... تو

اکثر نعمتا۔ اس طرف گئے ہیں کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ہی عمل کیا جائے گا۔ آمدی، شافعی، کمال بن ہمام نے اسی بات کو اختیار کیا ہے۔

والبعث: یہ کہ جو شخص براہ راست قرآن و سنت سے شرعی احکام کے استنباط کرنے کا ارادہ مند ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ استنباط کے قواعد سے بھی آگاہ ہو اور اس میں اجتہاد کی شرطیں کثرت سے پائی جائیں اور وہ تمام

ذاتی خصوصیات اس میں پائی جائیں جو مجتہد کے لیے ضروری ہیں تاکہ وہ صحیح استنباط کر سکے۔ ائمہ مجتہدین کا یہی طرز عمل تھا۔ خاصاً: ہر مسلمان جو درجہ اجتہاد نہ پہنچے اور اس میں یہ خصوصیات و لوازم بھی نہ ہوں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید کرے جن کے مذاہب پھیلے اور جن کے اقوال، اصول اور فروع امت میں پھیل گئے۔ امت نے ان کے اجتہاد کو شرف قبولیت بخشا یا پھر ان شرعی احکام کے بارے میں جو اس کی دسترس سے باہر ہوں یا اس کے علم میں نہ ہوں اہل علم سے فتویٰ دریافت کرے۔ عبادات، معاملات، آداب اور اخلاق وغیرہ (کے جملہ مسائل اس ضمن میں) سب برابر ہیں۔

سادساً: جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مقلد پر کسی خاص مسلک کو لازم کرنا ضروری نہیں اس صورت میں کہ وہ اس (تقلید) سے کبھی باہر نہ آئے بلکہ اس کے لیے یہ حکم ہے کہ مثال کے طور پر وہ کسی مسئلہ میں ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرے اور دوسرے میں امام مالکؒ یا امام شافعیؒ کے قول پر عمل پیرا ہو۔ یہ بات یقینی ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے اور بعد کے ہر دور میں مسئلہ پر چھنے والے ایک مرتبہ ایک مجتہد سے مسئلہ دریافت کرتے تو دوسری بار دوسرے مجتہد سے مسئلہ پر چھتے کسی ایک مفتی سے التزام کے ساتھ مسئلہ نہیں پر چھتے تھے۔ یہ بات ان مواقع پر نہیں جہاں ایک ہی عمل میں مختلف مذہبوں کے اقوال کے درمیان مطابقت ناممکن ہے برعکس اس کے کہ جو علم اصول فقہ میں اپنے مقام پر واضح بات ہے۔

سابعاً: علمائے کرام کی آراء میں سے قابل ترجیح یہ ہے کہ ادلی الامر اہل الائمہ اور اہل علم ہوتے ہیں۔ (یہی وہ لوگ ہیں) جو تشریحی اقتدار کے فائدے ہوتے ہیں اور یہ کہ حکم انزل اور گورنر زوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان معاملات میں جو واضح نہ ہوں یا ان کے بارے میں کوئی نص (قطعی) وارد نہ ہوئی ہو حکم کو وضع کریں۔

کوئی تغیر تبدیل نہ کریں جب کہ حاکم کی بغیر امیدواری نماز نیش کے حکمرانی (ثابت) ہو چکے تو فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ غائب آجانے والے سلطان کی اطاعت واجب ہے۔ اس کے ساتھ مل کر جہاد واجب ہے اور یہ کہ اس کی اطاعت اس کے خلفائے اٹھ کھڑے ہونے سے بہتر ہے۔ بجز اس کے کہ اس سے وضع طور پر کفر کا ارتکاب ہو (بایں صورت) اس کی اطاعت واجب نہیں۔

جمہور علماء کی رائے ہے کہ جب لوگوں سے شہر کے دیران ہو جانے کی وجہ سے مسجد خالی ہو جائے یا جب مسجد دیران ہو جائے، لوگ اس سے بے پروا ہو جائیں اور وہ (مسجد) شعائر (دین) ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو (بھی) ہمیشہ تا قیام قیامت وہ مسجد ہی رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد کے دیران ہو جانے سے اس کی صفت مسجدیت (اس کے مسجد رہنے کا خاصہ) اس سے چھین نہیں جاتی، الا یہ کہ جب اس کے بگڑ جانے کی وجہ سے اس کے منہدم ہونے کا خوف دامن گیر ہو اور اس کی عمارت بل گئی ہو تو اس کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دینا جائز ہے۔ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری مسجد بنانے میں مدد لینا جائز ہے۔

جب ایسا ہو تو گزشتہ (سطور) کی بنیاد پر :-
خط میں لکھے گئے سوالات کا جواب درج ذیل طریق پر ہوگا:

* پہلا سوال اور اس کا جواب :- اسلامی قوانین کے وضع کرنے کا حق کس کو حاصل ہوگا؟

کسی بھی شہر میں اسلامی قوانین دوسروں کا تقاضا کرتا ہے۔

پہلا مرحلہ :- یہ کہ قوانین سازی کے اس معاملے کو اسلامی شریعت کے علمائے ماہرین اور دوسرے ان علوم کے تجربہ کار علماء کے سپرد کر دیا جائے جو قانون سازی کے لیے

ثانہ :- یہ کہ حکمرانوں کا انتخاب فرض کفایہ ہے۔ اس پر ذر و صبار سے لے کر (آج تک) مسلمانوں کا اجماع ہے یہ ان امیدواروں اور رائے دہندگان کے وجود کا تقاضا کرتا ہے جن میں خاص شرطیں داخل موجود ہوں اور یہ کہ رائے دہندگان اور امیدواروں کے لیے وضع کی گئی شرطیں اور معیار ان شکایوں کی رخنہ بندی کے لیے کافی ہیں جن کا عوام اظہار کرتے ہیں۔ یہ مقام ایسا ہے کہ اس میں قرآن و سنت کا کوئی تفصیلی واضح حکم موجود نہیں جیسا کہ عدل و انصاف کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کے انتظام کے لیے قانون سازی میں اجتہاد کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ یہیں سے حاکم عادل کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

تاسعاً :- یہ کہ جب سربراہ کو اختیار تفویض ہو چکا تو نیک کاموں میں حاکم کی بیعت کی جائے کہ (بیعت کفہندگان) اس کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے۔ اس کے مقابلے میں حاکم جماعت مسلمین کے سامنے اپنے فرائض (کی بجائے آوری) کا جواب دہ ہوگا۔ جب قوم اور بہت مقدّمہ کے درمیان بیعت ہو چکے تو ضروری ہوگا کہ اسے لازم پکڑا جائے اور جب تک حکمران راہ راست پر رہے اسے توڑنا نہ جائے۔
عاشرہ :- اسلام کے واضح احکام نے بیعت سے رکھے رہنے سے چوکتا کیا ہے خواہ وہ بلا واسطہ طریقے سے ہو یا بالواسطہ طریقے پر کیونکہ بلا وجہ بیعت نہ کرنا اور اس سے دست کش رہنا جماعت کے خلاف خروج کے حق کو ثابت کرنا ہے۔ اس میں فتنہ ہے جن سے سوسائٹی کمزور ہوتی ہے۔

حادی عشرہ سنت کے واضح احکام اس امر کی دعوت کرتے ہیں کہ جب جماعت امام کے خلاف خروج کرے تو امام کی نفرت واجب ہے تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ نہ بکھرے اور یہ بھی کہ مسلمان فرمانرواؤں کے خلاف بغض ظلم اور فسق کی وجہ سے بغاوت نہیں کی جائے گی جب تک وہ اصول اسلام میں

لازمی ہیں۔

* تیسرا سوال اور اس کا جواب - اسلامی قانون سازی کا منبع و ماخذ کیا ہوگا؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قانون سازی کے ذرائع چار ہیں۔ دو تو ایسے ہیں کہ امت میں ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ قرآن اور سنت ہیں۔ جمہور فقہاء جن دو دیگر دو کی حجیت پر متفق ہیں وہ دونوں اجماع اور قیاس ہیں جبکہ بعض دوسرے متوکل بالا ذرائع کی حجیت پر فقہاء کا اختلاف ہے۔ جن مصادر کی حجیت میں اختلاف ہے ان میں سوال میں مذکور ایک قول صحابی ہے۔ صحابہ کے پیرو اہل بیت اور خلفاء اربعہ ہیں۔ علماء اس امر میں اتفاق رکھتے ہیں کہ اجتہاد کے موقعوں پر صحابی کا مذہب اس کا قول یا فتویٰ مجتہد صحابہ میں سے کسی کے خلاف حجت نہ ہوگا۔ جہاں تک تابعین اور ان کے بعد کے مجتہدین کے خلاف اس کی حجیت کا تعلق ہے اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ ذیل میں وہ اختلاف درج ہیں۔

ایک گروہ تو کہتا ہے کہ وہ حجیت نہیں۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے۔ وہ علماء بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے ان دونوں کی پیروی کی درآنحالیہ ایک گروہ کہتا ہے وہ حجیت ہے جسے قیاس پر تقدم حاصل ہے اور یہ امام مالک کی رائے ہے۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت بھی یہی ہے اور بعض علمائے احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ (یہ ایسے ہی ہے) جس طرح فقہاء کی آراء میں صحابہ کے اجتہاد کے بارے میں اختلاف ہے اور انہوں نے انفرادی فتوے دیے ہیں۔ ان کے فتوے میں اس حالت میں اختلاف ہے کہ دو اماموں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ کوئی شخص مجتہد صحابہ میں سے جس کا فتویٰ چاہے لے لو اور کسی خاص شخص کی پابندی نہ کرے اور نہ ہی ان سب سے بالکل آزاد رہ جائے۔ درآنحالیہ امام شافعی اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے کہ صحابہ کے وہ فتوے جن میں رائے کو دخل

یہ کہ قرآنین سازی کے اس معانی کو اس کیٹی کے پیرو کر دیا جائے جو ایک طرف اسلامی شریعت کے علماء پر مشتمل ہو تو دوسری طرف ایسے علوم کے تجربہ کار علماء پر مشتمل ہو جو (علوم) قانون سازی کے لیے ضروری ہیں اور ان علماء میں وہ شرائط و فرم موجود ہوں جو انہیں اس کام کے کرنے کا اہل بنائیں تاکہ اگر کیٹی کوئی منصوبہ بنائے تو وہ (منصوبہ) مطلوبہ قانون سازی کی گارنٹی دے سکے۔

دوسرا مرحلہ: یہ کیٹی اس منصوبے کو قانون ساز اسپیشی میں دستوریہ کے پروگرام کے مطابق پیش کرے گی تاکہ قانون سازی صحیح قانونی شکل اختیار کر سکے اور قانونی حکومت کی حکیم کے مطابق ڈھل سکے۔

* دوسرا سوال اور اس کا جواب۔ (کس مذہب کے مطابق قانون بنائے جاسکتے ہیں)۔

خصوصی کیٹی کے لیے ضروری ہے کہ شریعت اسلامیہ سے مدد لے کر قانون سازی کا منصوبہ رو بہ عمل لائے تاکہ وہ اس مذہب کی رعایت رکھے جس پر کسی اسلامی علاقے میں لوگوں کی غالب اکثریت کا عمل ہے تاکہ مسلمانوں کے لیے سہولت پیدا ہو سکے اور وہ کیٹی یہ خیال رکھے کہ ایسے حالات پیدا کرے جو قرآن و سنت کے ظاہری احکام سے ٹکراتے ہوں۔ چونکہ پاکستان میں غالب اکثریت کا معمول چھنی مذہب ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو بہتر یہی کفایت اسی کو لازم پکڑنے اس سے اخذ و استفادہ کرے اور قانون سازی کے معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ کیٹی بعض حالات میں دوسرے اسلامی مذاہب کے کسی قول یا قول سے بھی حذو استفادہ کرے جیسے جعفری مذہب جس کا اشارہ سوال میں موجود ہے مگر شرط یہ ہے کہ ایسا اجتہاد کے موقع پر کیا جائے ورنہ یہ بات صریح شرعی احکام سے متعارض ہوگی یا پھر شریعت اسلامیہ میں عام اصولوں کے خلاف ہوگی۔

اطاعت کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے کیونکہ ایسا کرنے سے خوزیزی رُکے گی، فتنوں کا قلع قمع ہوگا اور امن و امان قائم ہوگا۔ صحابہ میں سے اکثر کا عمل اسی پر تھا۔ گذشتہ سطور میں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

قوم کے ہر فرد پر واجب ہے کہ معاملہ حکمران کے سامنے پیش کر دیں، اسے احسن طریق پر سمجھائیں اور اس سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق حکومت چلائے۔ اگر وہ ان کی ترجمانی نہ کر سکے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ مبراہمت سے کام لیں اور امت کی وحدت و اتحاد کی خاطر انفراتق یا اطاعت سے نکل جانے سے باز رہیں۔

* پانچواں سوال اور اس کا جواب: مسجد کا حکم کیا ہے جبکہ وہ غیر مسلموں کے قبضے میں ہو؟

سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔“

اس آیت کریمہ کا اقتضایہ ہے کہ اس کی مسجدیت کا ختم ہو جانا بجز ضرورت کے جائز نہیں۔ یہیں سے جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ مسجدیت کا خاتمہ کسی مکان سے جو مسجد بن چکا ہو زائل نہیں ہوتا۔ اسی لیے (حکم یہ ہے) کہ جب مسجد غصب ہو جائے اور غیر مسلموں کے قبضے میں چلی جائے تو جب بھی حالات اجازت دیں اس کا ان کے قبضے میں چلے جانے سے (بچاؤ کرنا اور اس کو واپس لینا واجب ہے جبکہ مسلمان ایسا کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

تاہم شرط یہ ہے کہ کوئی شدید ضرورت پیش نہ ہو یا ایسی مقامی جنگ نہ چھڑے جو حکومت کو ضرر پہنچائے۔ اسی

بہجت نہیں ہیں۔ سوسائٹی کے لیے ضروری ہے کہ صحابہ کے انفرادی فتوؤں میں سے کوئی سافٹوئی لے لے۔ اسے یہ بھی حتیٰ پسینتا ہے کہ ان فتوؤں کے خلاف فتویٰ دے۔ جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے جس میں رائے نہ ہو تو اس کا حکم تو مرفوع حدیث کا ہوتا ہے جیسے اس پر صحابی کی سنت کا اطلاق نہ ہوگا یا اس قول کا اطلاق نہ ہوگا (فتاویٰ کی سنت سے)

قول متنازعہ ہے کہ اسے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے گا۔ جن حکمرانوں پر ان قوانین کی تیاری کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کے مقاصد کا تحفظ کریں اور جس امر میں کتابا سنت، اجماع یا قیاس سے کوئی خاص دلیل نہ پائیں اس میں امت کی بہتری کا خیال رکھیں۔ ان پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عرف استمسان، استفساب، مصالح مرسلہ وغیرہ کے اصولوں کو ان کے مواقع اور شرائط کے ساتھ لیں جس طرح کہ وہ اصول فقہ کی کتابوں میں وارد ہیں۔

* چوتھا سوال اور اس کا جواب: شرعی منتخب حکومت اور غیر منتخب حکومت کے بارے میں قوم کا کیا موقف ہوگا؟

جب حکمران کی بیعت آزادانہ طریقوں کے مطابق بلا واسطہ یا بالواسطہ طریقے پر ہو چکے تو اس سے تمسک کرنا، اس کا نہ توڑنا یا مددہ خلافی نہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے جب تک کہ حاکم راہ راست پر رہے کیونکہ اس طرح سے (نقض بیعت سے اجتناب سے خروج واقع ہوگا اور اس میں فتنہ ہے جس سے مسلم سائنٹی کی طاقت کمزور ہوگی۔ حکمرانوں کے خلاف جب تک کہ وہ قواعد اسلام میں سے کسی قاعدے کو بدل نہ ڈالے۔ صرف ظلم اور فسق کی وجہ سے بغاوت جائز نہیں تاہم اقتدار تسلط انتخاب یا امیدوار بنے بغیر یا آزادانہ انتخاب کے بغیر مسلمان حکمران اپنی حکومت قائم کرے جیسا کہ سوال میں ہے تو (اس صورت میں) نعمتاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسے حاکم کی اطاعت واجب ہے اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا بھی فرض ہے۔ اس کی

اس موضوع پر بحث کچھ لکھا جا چکا ہے

مگر

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

مدیر "الشريعة" کے قلم سے

بازارِ اہلِ علم و ادب

کے بارے میں ایک مبسوط تحقیقی مقالہ
آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ سنت اور اجماعِ امت سے ناقابلِ تردید دلائل
اور

مجوزین کے نقلی و عقلی دلائل کے مسکت جو اب

مطلوبہ پرچوں کی تعداد سے ۲۰ اکتوبر
تک ادارہ کو آگاہ کر دیے

منیجر ماہنامہ "الشريعة" مرکزی جامع مسجد
گوجرانوالہ فون ۴۴۹۴

(قیاس) کے مطابق جن مسجدوں کو قادیانوں نے غصب کر
یا ہے یا سکھوں کے قبضے میں ہیں تو اگر مسجدت کی صفت
ان سے زائل نہ ہوگی ہر تو مسلمانوں کے لیے ان کا واپس لینا
واجب ہے۔ اس آیت کریمہ کے دفاعی حکم کی مڑ سے امت
پر مسجد کا دفاع کرنا فرض ہے اور اللہ نے وعدہ فرمایا ہے
جو اس کی (اس کے دین کی) مدد کریں گے وہ ان کی مدد
فرمائے گا اور نماز اور ذکر الہی کے لیے مسجد کا واپس لینا اس
کے دین کی مدد اور اس کا رول بالا (کرنے کا ذریعہ) ہے۔
مذکورہ بالا امور کے پیش نظر مسلمانوں کی طاقت
اور قدرت کو نگاہ میں رکھا گیا ہے جب کہ اس بات کی
گواہی ہو کہ شدید ضرر و قوع پذیر نہیں ہوگا۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ دستخط شیخ الانہر
۲ نومبر ۱۹۸۸ء جادالحی علی جادالحی

مہر شیخ الانہر

بقیہ: امتِ مسلمہ کی کامیابی کا راز

روحانی اور اخلاقی بیداری کے علم نیک آثار نظر آنے لگیں
اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اسلام کی سر بلندی
کے لیے وہ بہتر سے بہتر اسباب پیدا کر دے۔ وَمَا ذَلَّلْنَا
عَلَى اللَّهِ بِعِزِّ مِينَا

درگاہ بے نیاز میں اسے درد کیا نہیں

دستِ سوال جانبِ خالق اٹھانے کے دیکھ

حزبِ نبویؐ جس شخص کے ذمہ اس

کے بھائی کا کوئی حق ہو آبرو کا یکی
اور چیز کا اس کو آج صاف کر دینا چاہیے اس سے
پہلے کہ نہ دینار ہو گناہ نہ درہم (قیامت کے دن)

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسول الله

و بعد :

فقد ورد الي مكتب شيخ الازهر رسالة من الشيخ زاهد الراشدي - من علماء

باكستان في ١٩/١٠/١٩٨٨م تتضمنة الأسئلة التي خلاصتها :

(١) حول تطبيق الشريعة الاسلامية في باكستان :

من هو صاحب الحق في صياغة القوانين الاسلامية طبقا للقرآن والسنة .. هل هم

اعضاء مجلس الشعب الباكستاني المنتخبون ، لأنهم اصحاب الحق والاختيار ...

والاجتهاد في حل القضايا المعاصرة للأمة الإسلامية ؟

أو أن ذلك من اختصاص لجنة من علماء الدين الراشخين الذين تتوافر فيهم الشروط

المطلوبة لذلك ، ولا علاقة لها بالمجلس ؟

(٢) ثم ما هو المذهب الفقهي الواجب التطبيق - عندئذ - على مستوى الدولة ؟

أهو المذهب الحنفي المعمول به لدى الغالبية المطلقة من شعب باكستان .. وهم

أهل السنة والجماعة ، أم هو المذهب الجعفري المعمول به لدى الشيعة ؟

(٣) وبالنسبة للسنيع والماخذ للتشريع الاسلامي :

هل يقتصر في ذلك على الكتاب والسنة فقط دون غيرها ، أم لابد من الأخذ بعمل

وأقوال الخلفاء الراشدين والصحابة وأهل البيت واجماع الامة ؟

(٤) بالنسبة للحكومات غير الشرعية : (أي التي تشكل من غير انتخاب حر) ..

هل من حق الشعب أن يطالب هذه الحكومة بتطبيق الشريعة الاسلامية باعتبار

أن أي حاكم جاء الى السلطة له سلطة كاملة ويجب مطالبته مع حكومته بتطبيق

الشريعة ، ويلزم الاعتراف بالقوانين التي تسنها هذه الحكومة ، أم أنه يتحتم على

الشعب أن يعمل على إقصاء هذه الحكومة لتحل محلها ^{حكومية} شرعية منتخبة ؟

(٥) استولى الشيخ علي مسجد في مدينة لاهور قبل تأسيس باكستان ، وهو مغلق الآن ...

كما استولت طائفة القاديانية على بعض المساجد ، وهي تحت سيطرتهم ، فما حيوية

هذه المساجد شرعا ، وهل تستطيع الحكومة الاسلامية استردادها وتمجيرها ؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٢ -

والجواب

تصحيح :

لما كانت السياسة الشرعية باباً عظيماً في الفقه الإسلامي وجب التعرف على مفهومها وميدان أعمالها للزوم في مواجهة موضوعات هذه الفتوى .
أ (مفهوم السياسة الشرعية (١) :

جاء في الطرق الحكيمة لابن القيم الجوزية : - السياسة ما كان فعلاً يكون الناس معه أقرب إلى الصلاح وأبعد عن الفساد وإن لم يضعه الرسول ولا نزل به وحى . هذا وقد سار الفقهاء المجتهدون من الصحابة والتابعين يحملون الرأي الذي عمده الدين وقصد المصلحة فيما لا يجدون فيه دليلاً خاصاً من الكتاب والسنة .
وقد خلف لنا فقهاء الإسلام تراثاً عظيماً من الأحكام الشرعية التي كانت أثراً لاجتهادهم . والأحكام الشرعية قد تكون ثابتة لا تتبدل ولا تتغير ولا تختلف المصلحة فيها باختلاف الأزمان والأحوال ، وقد تكون جزئية روعيت فيها مصالح الناس وعرفهم في الوقت الذي استتبقت فيه .

وإذا كانت بعض مصالح الناس تختلف باختلاف الظروف والأحوال ، وكان عرف الناس في زمن قد يخالف عرفهم في زمن غيره ، وعرف أمة قد يغير عرف أمة غيرها في الزمن الواحد .
فبالسياسة الشرعية يستطيع ولاة الأمر في الأمة أن يحسنوا من القوانين ما يحقق مصلحتها استجابة لداعي حاجاتها المعارضة ومطالبها المتجددة ، ما لم يجدوا له دليلاً خاصاً من الكتاب والسنة ، أو الإجماع ، أو القياس ، وهذا خاص بالأحكام التي شأنها الاتيق على وجه واحد بل تختلف باختلاف العصور والأحوال ، وعلى حسب ما يطرأ من النتائج والآثار ، والأحكام التي لهيوجد لها دليل خاص من الكتاب والسنة والإجماع ، ولا لمحلها نظير يقاس عليه ما سبق فيه حكم من الرسول صلى الله عليه وسلم ، حيث يعتبر هذا من الفقه العام يرجع في شأنه إلى قواعد رفع الحرج ، ودفع الضرر ، والحكم بالعدل وبيادى سد الذرائع لا متصحاب والاستحسان والعرف والمصالح المرسل (٢) .

(١) من كتاب السياسة الشرعية للمرحوم الشيخ عبد الرحمن تاج ط دار التأليف بمصر ١٩٥٣م

(٢) المرجع السابق ص ١٠ و ٩ من ٢٦ - ٣٠ بتصرف .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٣ -

(ب) عن مصادر الاحكام الشرعية في الاسلام :

- لم يختلف المسلمون في أن القرآن الكريم هو المصدر الاول لكافة الأحكام الشرعية المتنوعة في العبادات والمعاملات وفي العقيدة والاخلاقيات ، وإن السنة النبوية التشريعية القولية والعملية والتقريرية هي المصدر الثاني ، وإن اختلفوا في شروط متصل بروايتها وثبوتها .
- ثم الاجماع : وجمهور العلماء على أنه حجة يجب العمل بمقتضاها .
- وخالف في هذا الخوارج والشيعة والنظام وقالوا انه ليس بحجة .
- ثم القياس : على الاختلاف في تعريفه لدى الاصوليين - حجة يجب العمل به في الامور الشرعية عند الجمهور .
- وقال ابن حزم الظاهري واتباعه إن التمسك بالقياس جائز عقلا ، ولكن الشرع لم يوجد فيه ما يدل على وجوب العمل به .
- وذهب الشيعة الامامية والنظام في أحد النقلين عنه الى ان التمسك بالقياس محال عقلا .
- وهناك ادلة اخرى مختلف عليها هي : العرف ، والاستصحاب ، والاستحسان والمصالح المرسله ، والاستقراء ، وقول الصحابي ، وغيرها .
- وقد أورد علماء اصول الفقه القول في العمل بهذه الادلة - نقلا وعقلا - والخلاف في شأنها .
- أما عن قول الصحابي ، أو مذهبه ، أو فتواه [المطلوب بالسؤال] : -
- فقد نقل الآدمي في كتابه (الاحكام في اصول الاحكام) ان العلماء قد اختلفوا على أن مذهب الصحابي في مواضع الاجتهاد لا يكون حجة على غيره من الصحابة المجتهدين ، إماماً كان أو حاكماً ، أو مفتياً ، وانهم اختلفوا في حجيته على التابعين ومن بعدهم من المجتهدين .
- فذهب الاشاعرة ، والمعتزلة ، والشافعي في أحد قوليه ، واحمد بن حنبل في احدى الروايتين عنه ، والكرخي الى انه ليس بحجة .
- وذهب مالك بن انس ، والرازي ، والبردعي من الحنفية ، والشافعي في قول له .
- واحمد في رواية عنه إلى انه حجة مقدمة على القياس .
- وذهب قوم الى انه ان خالف القياس كان حجة ، والا فلا .

وزهب آخرون الى أن الحجة في قول ابن بكر وعمر دون غيرها .

ثم قال الآدمي : والمختار انه ليس بحجة مطلقا ، وساق حجج تلك الأقوال (١) .

هذا : وانه لما كانت قد طرأت بعد وفاة الرسول صلى الله عليه وسلم واقعات لا نص

فيها ، ولم يؤثر عن الرسول صلى الله عليه وسلم فيها خبر خاص .

اجتهد في شأنها اصحابه رضوان الله عليهم ، وافتوا فيها فرادى فاختلف فتاويهم

في بعض تلك الوقعات ، وتبعها لهذا اختلف الائمة المجتهدون في منزلتها في التشريع .

وقد كانت خطة الامام ابن حنيفة ومن تابعه بالنسبة لما اختلف الصحابة في شأنه أن يأخذ

بفتوى أى واحد من الصحابة ، ولا يتقيد بواحدة معينة ولا يخرج عنها جميعا .

فقد روى عن هذا الامام الجليل قوله : -

(انى أخذ بكتاب الله اذا وجدت ، فما لم اجده فيه أخذ بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم

والآثار الصحاح التى فشت في أيدي النفاة ، فاذا لم اجد في كتاب الله ولا في سنة رسول الله صلى

الله عليه وسلم أخذت بقول اصحابه من شئت منهم ، ثم لا اخرج عن قولهم الى قول غيرهم ، فاذا

انتهى الأمر الى ابراهيم والشعبي والحسن وابن سيرين وسعيد بن المسيب فلى أن اجتهد

كما اجتهدوا (٢) .

ويتفق الامام مالك مع ما ذهب اليه الامام ابو حنيفة بالنسبة للأخذ بقول الصحابي بوجه

عام ، وذلك لظن السماع من رسول الله صلى الله عليه وسلم وفهم المراد لمشاهدة القرائن ، ولأن عادة

الصحابة الفتوى بالنص ، الا في النادر اليسير ، ولوا انتفى السماع فالصحابي اقرب الى فهم

الصواب من غيره ، اما الامام الشافعي ومن تابعه فخطته فقد ذهبوا الى ان فتاوى الصحابة فيما

يمكن ان يدرك بالبرأى ليس حجة لأنها فتاوى فردية صادرة من غير معصومين ، ولأنها لو كانت

حجة لزم تقليد المجتهد غيره وهو باطل .

ومن ثم فقد نقل عن الامام الشافعي ان له أن يأخذ بأية فتوى من فتاوى الصحابة الفردية

وله أن يفتى بخلافها .

(١) الاحكام في اصول الاحكام للآدمي ج ٤ ص ٢٠١ الى ص ٢٠٩

(٢) اسباب اختلاف الفقهاء للشيخ على الخفيف ص ٢٧٠ ط معهد الدراسات العربية

١٣٢٥ هـ ١٩٥٦ م والتقرير والتجوير لابن امير حاج على التحرير للكمال بن الهمام مطبعة

الاميرية بمصر ج ٢ ص ٣١٢ واعلام الموقعين لابن القيم الجوزية ج ٤ ص ١٠٦ الطباعة

المنيرية بمصر .

الأزهري
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٥ -

وهذا كله فيما يدرك بالرأى ، أما ما لا يدرك بالرأى فإنه يأخذ حكم المرفوع الذي
رسول الله صلى الله عليه وسلم ويجب الأخذ به عند الجمهور (١) .

وهذا الذي ذهب إليه الشافعي من التفصيل على هذا الوجه أولى بالقبول .
ولا يغبين عن البال أن المقصود بقول الصحابي أو فتواه هو ما اجتهد فيه . . . أما
ما أطلق عليه سنة الصحابي ، أو قوله : من السنة كذا . . . فقد ذهب الاكثرون من الفقهاء
إلى أن ذلك محمول على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وخالف في هذا أبو الحسن الكرخي
من الحنفية .

والمختار مذهب الجمهور كما قال الآدمي في الاحكام ، والشاطبي في الموافقات والكمال
ابن الهمام في التحرير (٢) .

القرآن والسنة

اساس التشريع الاسلامي

إن القرآن الكريم يشتمل على كل ما يبهيم الناس في معاشهم وسعادتهم : عقيدة وعبادة
وسلوكا ، على المستوى الفردي والجماعي في جميع المجالات . قال تعالى : (ونزلنا عليك
الكتاب تبيانا لكل شيء ، وهدى ورحمة وبشرى للمسلمين) (٣) .

(١) المرجع السابق للآدمي ط دار المعارف ١٣٣٢ هـ / ١٩١٤ م ، واعلام الموقعين عن ربنا
العالمين ج ٤ ص ١٠٢ - ١٢١ حيث اورد سنة واربعين دليلا ، وجعل محل الكلام فيما
اذا قال بعضهم ولم يخالفه غيره سواء اشتهر فيما بينهم ام لم يشتهر ، وانه اذا اشتهر ولم
يخالفه أحد هل يكون حجة فقط أم يعتبر إجماعا ، فيه خلاف ، فإن لم يشتهر كان حجة
فقط . وهذا كله فيما ليس فيه نص من كتاب أو سنة .

(٢) الاحكام للآدمي ج ٢ ص ١٣٥ - ١٤٦ في القسم الثالث في مستند الراوي .
والموافقات للشاطبي ج ٤ ص ٧٤ - ٨٠ ط المكتبة النجارية بالقاهرة تحقيق الشيخ
محمد عبد الله دراز والتقرير والتحبير على التحرير للكمال ابن الهمام الحنفي ج ٢ ص ٣١٠ -
٣١٢ وسهائمه شرح الاسنوي نهاية السؤل على شهاج الوصول الى علم الاصول المطبعة
الاسيرية ببواق ١٣١٦ هـ .

(٣) الآية ٨٦ من سورة النحل .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٦ -

وتبيان القرآن لكل شيء قد يكون بالنس والتصريح ، وقد يكون بالاشارة والتلميح
ما فسح المجال للمجتهدين ان يستنبطوا منه حكما لكل قضية ، وحلا لكل مشكلة .
الأمر الذي ضمن استقرار العطاء للقرآن ، وصلاحيته الدين لكل زمان ومكان ومع بيان القرآن
لكل شيء فهو كتاب هداية ورحمة .

ولكن كيف نأخذ منه احكامنا وهو الدستور الأسمى للأمة الاسلامية الذي استمدت منه
كل قوانينها ؟

ان صياغة القوانين نوع من الاجتهاد في الاستنباط ، اما من فقه المذاهب او من الأدلة
الأصلية للشريعة .

والاستنباط أيا كانت صورته - تلزم له الشروط التالية : - (١)

١ - الإلمام الكامل بعلوم القرآن من معرفة المعنى والحدنى ، والناسخ والمنسوخ والمحكم
والمتشابه ، وغيرها .

٢ - لا بد من معرفة السنة النبوية الشريفة لتفصيل ما أجمل ، وبيان ما أبهم من القرآن .

٣ - الإلمام بعلوم اللغة العربية لمعرفة المراد من النص ، فقد يكون اللفظ الواحد له أكثر
من معنى ، كما يكون للمعنى الواحد عدة ألفاظ .
فاللغة العربية سخية بالألفاظ والاساليب .

٤ - لا بد لمن يتصدى لاستنباط الاحكام الشرعية من القرآن مباشرة ان يعرف قواعد
الاستنباط ، فمن توافرت فيه شروط الاستنباط المباشر اذا وجدت فيه هذه الاستعدادات
المذكورة وغيرها فله ان يستنبط ولا حرج عليه وعلى هذا المنوال كان الأئمة المجتهدون .
ومن لم يستطع فليسأل اهل العلم مع الاجتهاد في التعلم قال تعالى : (٢)
(ناسألوا اهل الذكر ان كتتم لا تعلمون) .

(١) من كتاب بيان للناس ج ١ ص ٥٤

(٢) من الآية ٤٣ سورة النحل

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٧ -

(١) والنبي صلى الله عليه وسلم رغب في طلب العلم والتفقه في الدين فقال :
(من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين) .

وحذر من ادعاء العلم والتصدى للفتيا عن جهل فقال : (٢)

(ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤساء جهالا فانتموهم بخير علم فعلوا وأشملوا) .

حكم التقليد : اذا كان ذلك حكم الاجتهاد وشروطه الواجب توافرها في المجتهد على وجه الاجمال ، فمأ حكم من لا يحسن الاجتهاد ولا تتوافر فيه شروطه . هل له ان يقلد غيره ام لا ؟ وهل يجب الالتزام بمذهب واحد ، بان يلتزم المسلم بتقليد مذهب معين من المذاهب المشهورة المعروفة ؟

(٣)
للعلماء في حكم التقليد اقوال ثلاثة موجزها :-

الأول : انه لا يجوز التقليد مطلقا ، لان الواجب على كل مسلم مكلف ان يواجه بنفسه امور دينه مستمدا اياها من مصادرها الصحيحة ، وان يجتهد فيما يعرض له من حوادث ويعمل بما يؤيده إليه اجتهاده بعد الرد الى كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم .

الثاني : عدم جواز الاجتهاد ووجوب التقليد .

وحجة هذا القول ان زمن الأئمة المجتهدين الذين سلمت لهم الأمة بهذا الوصف قد مضى فلا يصح الاجتهاد بعدهم ، ويجب تقليدهم .

الثالث : وجوب التقليد على من لم يبلغ درجة الاجتهاد .

وهذا هو الرأي السديد للأسباب التي نوجزها فيما يلي :-

(١) رواه البخارى وسلم (٢) رواه البخارى وسلم

(٣) من كتاب الفقه الاسلامي : مرونته وتطوره لفيلة الامام الاكبر الشيخ جاد الحق على جاد الحق شيخ الأزهر ط اللجنة العليا للدعوة ص ١٤٤ - ١٦٥

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٨ -

أولاً : ان الله قد رفع الحج عن المسلمين في امور دينهم فقال في سورة الحج : (١)

(وما جعل عليكم في الدين من حرج)

ولو وجب الاجتهاد على كل مسلم ، كما يقول اصحاب الرأي الأول لوقح الناس في حرج شديد ولتعطلت مصالحهم ، أو ليس كل مسلم مؤهلاً ذاتياً للاجتهاد فسي احكام الدين .

بل ان الله سبحانه امر من جهل امراً بالسؤال عنه وأخذ من علم به فقال في سورة الانبياء (٢) (فاسألوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون) .

وهذا القول من الله سبحانه وتعالى دليل قاطع على تفاوت الناس في العلم والقدرة على تحصيله مما يقتضى وجوب سؤال من جهل لمن يعلم ، والا لما كان في اجاب السؤال به هذه الآية فائدة . وبهذا يكون القول بمنع التقليد ووجوب الاجتهاد على كل مسلم مخالفاً لحكم هذا النص القرآني .

ثانياً : ان الصحابة والتابعين رضوا الله عنهم لم يكونوا جميعاً من المجتهدين ، وكان عامتهم يلجأون الى المجتهدين منهم يستفتونهم فيما ظروا من حوادث ، ولم يتكروا على احد سؤاله بل كان المجتهدون منهم يغدون سائلهم بحكم الله ، ولم ينقل ان اولئك السائلين امروا بالاجتهاد ، فيعتبر هذا اجماعاً من الصحابة على ان من جهل حكماً شرعياً لا يكلف بالاجتهاد في شأنه ، وكان عليه سؤال اهل العلم في هذا الحكم والعمل بفتاوه .
وجرى على ذلك عمل التابعين - ايضاً - رضوا الله عنهم اجمعين .

ثالثاً : ان الناس متفاوتون في الفهم وقوة الذاكرة . .
وللاجهاد في الدين واحتياط الاحكام من مصادرها شروط ، بل ان ذلك ملكة لا تتوافر لدى كل المسلمين . فاذا كلف بها من لا يستطيعها كان ذلك تكليفاً بغير المستطاع

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١ -

كما ان الله فرض المستطاع ورفع الحرج عن المسلمين كما في آية سورة البقرة (١)
(لا يكلف الله نفسا الا وسعها)

وفوق هذا فانه لو فرض الاجتهاد على كل مسلم لوجب عليهم جميعا الانصراف الى تحصيل ادواته من العلوم اللغوية والشعرية ، وهذا يؤدي الى الانقطاع عن القيام بمصالح المعيشة ، وضرورات الحياة وعاداتها .

وفي هذا فساد لنظام المجتمع لتوقف مصالحه ، بل فيه هلاكه .
ومع كل هذا فذلك قول الله سبحانه وتعالى في آية التوبة (٢) (قلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون)
يوجه الى تخصيص طائفة للتفقه في الدين يكون عليها عبء الابلاغ به والدعوة اليه والغتوى في شئونه .

ومن ثم كان حتما على كل مسلم لم يبلغ درجة الاجتهاد ولم تتوافر لديه سانه وادواته ان يقلد احد الائمة المجتهد بن الذين شاعت مذاهبتهم وعرفت اقوالهم وادبوتهم وفروعهم وتلقنت الائمة اجتهادهم بالقبول ، او ان يستفتى اهل العلم فيما غاب عنه او جهله من الاحكام الشرعية سواء في العبادات او المعاملات والاداب والسلوك وغيرها .

ثم هل يجب على المقلد التزام مذهب معين ؟
الحق الذي ذهب اليه جمهور العلماء انه لا يجب على المقلد التذهب بمذهب معين ، بحيث لا يجوز له الخروج عنه ، بل له ان يعمل في مسألة بقول ابي حنيفة وفي اخرى بقول مالك او الشافعي ، وللقطع بان المستفتين في كل عصر من زمن الصحابة ومن بعدهم كانوا يستفتون مرة واحدا ، ومرة اخرى مجتهدا اخر غير ملتزمين مفتيا واحدا .
وعلى ذلك لو التزم مقلد مذهبنا لا يلزمه الاستمرار في تقليده .

(١) من الآية ٢٨٦ (٢) من الآية ١٢٢

(٣) من كتاب الفقه الاسلامي - مرونته وتطوره للفضيلة الامام الاكبر الشيخ جاد الحق على جاد الحق شيخ الأزهر ط اللجنة العليا للدعوة للدعوة بالأزهر الشريف .

وقد اختار هذا الامدى وابن الحاجب والكمال بن الهمام والرافعى وغيرهم •
ذلك لان التزام مذهب معين غير ملزم ، اذ لا واجب الا ما اوجبه الله تعالى ورسوله
ولم يوجب الله لرسوله على أحد من الناس ان يتخذ مذهباً معيناً من المجتهدين
فيقلده في دينه يأخذ كل ما يقرره دون غيره •

قال ابن امير حاج في شرحه على التحرير للكمال بن الهمام في هذا الصدد ما يلي :

ثم في اصول ابن مفلح ذكر بعض اصحابنا (يعنى الحنابلة ، والمالكية ، والشافعية)
هل يلزمه التمسك بمذهب والاختصاص برخصه وعزائمه ؟ فيه وجهان :
اشبههما لا كجمهور العلماء فيتخير ••

ونقل عن بعض الحنابلة انه قال : وفي لزوم الاختصاص برخصه وعزائمه طاعة غير النبي صلى الله عليه

وسلم في امره وهو خلاف الاجماع ، وتوقف في جوازه ثم قال ابن امير حاج بعد نقل هذا :

(وقد انحلت القرون الفاضلة على عدم القول بذلك (اى الالتزام بمذهب معين) بل لا يصح
للحامي مذهب ، ولو تمذهب به ، لأن التمسك بمذهب إنما يكون لمن له نوع نظر واستدلال ويصر
بالمذهب على حسبه او لمن قرأ كتاباً في فروع ذلك المذهب وعرف فتاوى امامه واقواله •
واما من لم يتأهل لذلك البتة بل قال : أنا حنفى او شافعى او غير ذلك لم يصح لك
بمجرد القول ••• الخ •

ح - من هم اولوا الامر ؟

قال تعالى : (١) (يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله وأطيعوا الرسول واولى الامر
منكم) وقال جل شأنه (٢) (ولو ردوه الى الرسول واى اولى الامر منهم لعلمه الذين
يستنبطونه منهم) ••

فمن هم اولوا الامر الذين لهم حق الاستبطان ؟

قيل : - من ولاهم الرسول ، أو ولتهم الامة بعقد البيعة •

(١) من الآية ٥٩ من سورة النساء (٢) من الآية ٨٣ من سورة النساء

(٣) بيان للناس من شيخ الأزهر الشريف ح ١ ص ١٨٧

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتبة الإمام الأَكْبَر
شيخ الأزهري

- ١١ -

وقال النووي : اولوا الأمر - كما عليه جمهور السلف من المفسرين والفقه -
 وغيرهم : هم من اوجب الله طاعته من الولاة والأمراء .
 وقيل : هم العلماء ، وقيل : المراد بهم : الامراء والعلماء ، ويرى البعض : انهم
 الحكام والامراء والولاة .
 وعلى هذا : فأولوا الأمر هم أهل الرأي والعلم الذين يمثلون السلطة التشريعية
 فان نظام الاسلام اذا كان يقوم على الشورى ، فان الحكام والولاة يستشيرون هؤلاء فيما
 لم يرد فيه نص .
 فاذا اختلفوا بعرض هذا الامر على القرآن ، وعلى الرسول في حياته وعلى سنته بعد
 انتقاله الى الرفيق الاعلى ، فهما الحكم عند التنازع .
 د - موقف الامة من اختيار الحاكم .
 ان اقامة الحكومة الاسلامية - بمعنى اقامة حاكم يتولى شؤون المسلمين - امر واجب
 اجمع عليه المسلمون منذ عهد الصحابة .
 ولأهمية هذا الامر شغل به المسلمون اول ما شغلوا عقب وفاة النبي صلى الله عليه وسلم
 ولم يدفونوه حتى فرغوا من اختيار خليفة له (١)
 يقول الماوردي في الاحكام السلطانية (٢) : فاذا ثبت وجوب الامامة ففرضها على الكفاية
 كالجهاد وطلب العلم ، فاذا قام بها من هو اهلهما سقط فرضها عن الكافة . وان لم يقم بها
 احد خرج من الناس فريقان :
 احدهما : اهل الاختيار حتى يختاروا اماما للامة
 والثاني : اهل الامامة حتى ينتصب احدهم للامامة ،
 والمراد ان يكون هناك ناخبون ومرشحون للامامة ، وذكر شروط الناخبين واحكام المدالف
 بشروطها ، والعلم الذي يعرف به من يستحق الامامة بشروطها ، والرأي والحكمة المؤد بهما
 الى اختيار اصلح المرشحين .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٢ -

والمعنى ان يكون الناخبون على مستوى خاص من الخلق والامانة والذميمة
وحنن السلوك ، وعلى معنى كامل بما يشترط في المرشح . ومع الوعى والعلم لا بد من الخبرة
والحكمة للموازنة بين المرشحين ، واهمها العدالة والعلم المؤدى الى الاجتهاد فى التوازل
والرأى الحفى الى سياسة الرعية وتدبير الصالح .
ان هذه الشروط والمقاييس الموضوعية للناخبين والمرشحين كقيلة بسد الثغرات التى يشكو
منها كثير من الناس عند اجراءات الانتخابات ، او الاستفتاءات لاي غرض ، على اى شكل تتم .
وتتلخص فى الكفاءة والنزاهة ، او العلم والخلق ويجمعها قول سيدنا يوسف عند ما طلب
ان يكون على خزائن مصر " ابنى حفيظ علم " (١)
وقول ابنة الشيخ الكبير عن موسى (ان خير من استأجرت القوى الامين) (٢)
واذا تم اختيار الامام كانت هناك بيعة على السمع والطاعة فى المعروف فى مقابل قيام الامام بواجبه
نحو جماعة المسلمين .
وقد يتكفى بطريق من طرق الانتخاب المعاصرة ، فان من اعطى صوته بالموافقة رضيه اماما
والمترم طاعته .
والبيعة بمعناها المعروف تكون بين الناس ، والخليفة او الامام او الامير او الحاكم .
وكانت للرسول صلى الله عليه وسلم مبايعات عدة :
منها بيعة الانصار ليلة العقبة فى مكة ، ومنها بيعة النساء ، ومنها بيعة الرضوان
تحت الشجرة فى الحديبية ، ومنها مبايعة فردية لاحد الناس .
قال ابن عمر رضى الله عنهما : كنا نبايع رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع
والطاعة يقول لنا " فيما استطلعت " .

(١) من الآية ٥٥ من سورة يوسف

(٢) من الآية ٢٦ من سورة القصص

(٣) صحيح مسلم ج ١٣ ص ٧

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٣ -

- والبيعة عهد بين الشعب ، والسلطة الحاكمة للتعاون على الخير
- وإذا تمت البيعة وجب التزامها وعدم نقضها مادام الحاكم مستقيماً على الجادة
- هذا : وقد حذر الاسلام من التكوّن عن البيعة التي تمت بطريق مباشر او غير مباشر

ذلك ان عدم المبايعة او نقض السيد منها بعد التزامها بدون وجه حق فيه خروج عن الجماعة ، وفيه فتنة تضعف من قوة الشعب ، وتفسح المجال لطمع الاعداء فيه .
وقد جاءت في ذلك نصوص كثيرة في كتب السنة . (١)

هـ - موقف المسلمين من الحاكم الذي يتولى الحكم دون انتخاب

قد يتم الاستيلاء والسيطرة على الحكم بدون مبايعة وبدون ترشيح واختيار ، فان كان الحاكم مسلماً وجبت طاعته في المعروف .
نقد صح في الحديث ان عبدالله بن عمرو بن العاص - وهو صحابي جليل - قال لرجل سأله عن موقفه من معاوية الذي استولى على الحكم وحارب علياً وجماعته ، وانفق على هذه الحروب اموال المسلمين ، قال له : اطعه في طاعة الله ، واعدته في معصية الله ، ولم يأمره بقتاله والخروج عليه .

وقد سئل سهل بن عبدالله التستري عن ذلك ، فقال : تجيبه وتؤدى اليه ما يطلبك من حقه ، ولا تنكر فعاله ولا تغرمنه .

وقال ابن خويز منداد : تتم البيعة لمن وثب على الأمر (٢)

وقال الحافظ بن حجر : (٣) وقد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه ، وان طاعته خير من الخروج عليه ، لما في ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء . ولم يستثوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها . (٤)

(١) بيان للناس ج ١ ص ١٩٥ ، ٢٠٨

(٢) تفسير القرطبي ج ١ ص ٢٦٩

(٣) فتح الباري ج ١٦ ص ١١٢

(٤) بيان للناس ج ١ ص ١٩٤ ، ١٩٥

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٤ -

و - استيلاء الكفار على المساجد

قال تعالى (١) : (ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات
مساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرن الله من ينصوه ان الله لقوى عزيز) .
وقال (٢) (انما يمسر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر واقام الصلاة وآتى الزكاة
ولم يخش الا الله فعسى أولئك ان يكونوا من المهتدين) .

ولأهمية المساجد في الاسلام عنى الفقهاء ببيان احكامها وتسيورها وحشوا على المحافظة
عليها ، وجرت اوقاف السلف الصالح من المسلمين للانفاق عليها ، حتى لا يسمى الخراب اليها
وتندثر وتعطل الشعائر .

وفي سبيل المحافظة على المساجد والقيام على عمارتها نص الفقهاء الشافعي على انه (٣)
اذا تعطل المسجد يتفرق الناس عن البلد ، او خرابها ، او خراب المسجد فلا يعود مملوكا
خلافا لمحمد بن الحسن ولا يجوز بيعه بحال ولا التصرف فيه

وقد جرى الفقه المالكي (٤) على مثل هذا ، غير انه اجاز في المسجد اذا تخرّب
وخيف على انقاضه من الخساد ولم توج عمارته لا بأس ببيعها واعين بشفها في مسجد آخر .
واجاز فقه الامام احمد بيع المسجد اذا صار غير صالح للنهاية المقدودة منه كأن خاق على
اهله ولم يكن توسيعه حتى يسعهم ، او خربت الناحية التي فيها المسجد ، وبار غير مفيد
ويصرف ثمنه في انشاء مسجد اخر يحتاج اليه في مكانه .

وفي الفقه الحنفي (٦) اذا تخرّب المسجد وليس له ما يعمر به واستغنى الناس عنه لبناء
مسجد آخر ، او لم يتخرّب ولكن تفرق الناس من حوله واستغنوا عنه لخراب قريبهم ، فقد اختلف

(١) من الآية ٤٠ سورة الحج . (٢) الآية ١٨ سورة التوبة

(٣) اعلام الساجد في احكام المساجد للزركشى الشافعي ص ٣٤٥ ط المجلس الاعلى للشئون الاسلامية

(٤) التاج والاكليل على مختصر خليل ج ٦ ص ٤١ وما بعدها .

(٥) المغنى لابن قدامة الحنبلي ج ٦ ص ٢٣٧ مع الشرح الكبير على متن المفتح

(٦) الهداية وفتح القدير ج ٥ ص ٦٥ . والفتاوى الاسلامية الحاضرة من دار الافتاء

المصرية ج ٦ ص ٢١٥٧ ج ٩ ص ٣٢٥٧

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٥ -

الشيخان أبو يوسف ومحمد صاحبا أبي حنيفة فقال أبو يوسف هو مسجد أبدا التي قيام الساعة ولا يعود بالاستغناء عنه إلى واقته ، ولا يجوز نقل إنشائه ولو أزمه إلى مسجد آخر . .
وأكثر الفقهاء على قول أبي يوسف ، ورجحه ابن السهام في الفتح .
وروي عنه أيضا أنه لا يعود إلى المالك ، لكن يحول نقده ولو أزمه ويدبرق منه في مسجد آخر ، وجزم بهذه الرواية صاحب الاسعاف واقفى بها كثير من المتأخرين ويرى محمد أنه يعود إلى ملك الواقف ان كان حيا ، أو ورثته ان كان ميتا .
ويستخلص ما تقدم الأسس التالية :

أولا : ان الشريعة الاسلامية قائمة على رعاية المصلحة ورفع الحرج ، بمبادئها الكلية وقواعدها الاساسية التي ترمى دائما إلى العدالة ، وتقصد إلى جلب المنافع ودفع المآثر لتستقيم الأمة على جادة الاعتدال .

ثانيا : السياسة الشرعية اداة تجيز لولاة الامر في الامة ان يستقروا من التوائمين ما يحقق مصلحتها ويستجيب لداعي حاجتها العارضة ، ومما إليها المتبددة مما لا يوجد له دليل خاص من الكتاب ، أو السنة ، أو القياس ، أو الاجماع .
ويرجعها إلى قواعد دفع الحرج ورفع الضرر ، والعمل بمبادئ سد الذرائع والمعرف والاستصحاب والاستحسان والمصالح المرسله . (١)

ثالثا : ان مصادر التشريع الاسلامي اربعة : منها اثنان لاخلاف في الامة عليها وهما القرآن والسنة ، واثنان اتفق جمهور الفقهاء على جبروتها ، وهما : الاجماع والقياس :

وماءدا هذه المصادر الاربعة : من الاستحسان ، والاستصحاب ، والمصالح المرسله والعرف ، وقول الصحابي ، وما إليها فقيها خلاف كبير في علم اصول الفقهاء

(١) يراجع كتاب السياسة الشرعية للرحموم الشيخ عبد الرحمن تاج ط دار التأليف بمصر

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٦ -

أما عن قول الصحابي ، أو مذهبه ، أو فتواه :

١ - فقد اتفق العلماء على أن مذهب الصحابي في مواضع الاجتهاد لا يكون حجة على غيره من الصحابة المجتهدين ، وأنهم اختلفوا في حجيته على التابعين ومن بعدهم من المجتهدين فيرى بعضهم أنه ليس بحجة ، وهو أحد قولي الإمام الشافعي ، وأحد الروايتين عن الإمام أحمد ، ومن تبعهما من العلماء .

وذهب بعضهم إلى أنه حجة مقدمة على القياس ، وهو قول الإمام مالك وفي أحد قولي الشافعي ، وأحد روايتي أحمد بن حنبل وبعض علماء الحنفية ويرى بعضهم أنه ^{أن} خالف القياس كان حجة ، والأول .

وذهب آخرون إلى أن الحجة في قول أبي بكر ومردون غيرهما .
واختار بعضهم القول بأنه ليس بحجة مطلقاً . (١)

ب - أن ما اجتهد فيه الصحابة واقتوا فيه فرادى واختلفت فتاويهم بشأنه قد اختلف الأئمة المجتهدون في منزلته في التشريع .

فيرى الإمام أبو حنيفة ومن تابعه أن للمجتهد أن يأخذ بفتوى أي واحد من الصحابة ولا يتقيد بواحدة معينة ، ولا يخرج عنها جميعاً .

ويتفق الإمام مالك مع الإمام أبي حنيفة فيما ذهب إليه من الأخذ بقول الصحابي بوجه عام . وذهب الإمام الشافعي ومن معه إلى أن فتاوى الصحابة فيما يدرك بالرأى ليست حجة ، ومن ثم فقد نقل عنه أن للمجتهد أن يأخذ بأية فتوى من فتاوى الصحابة الفردية وله أن يفتي بخلافها وهذا كله فيما يدرك بالرأى ، وهو الأولى .

أما مالك يدرك بالرأى فإنه يأخذ حكم المرفوع إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ويجب الأخذ به عند الجمهور . وما ذهب إليه الشافعي أولى بالقبول .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٢ -

ح - ان ما اطلق عليه سنة الصحابي ، او قوله : من السنة كذا . .
فذهب الاكثرون من الفقهاء الى ان ذلك محمول على سنة رسول الله صلى الله عليه
عليه وسلم وهذا ما اختاره الآدي ، والشاطبي ، والكمال بن الهمام . (١)

وبإيعا : - انه لا بد لمن يتعدى لاستنباط الاحكام الشرعية من القرآن والسنة مباشرة ان يحرف
قواعد الاستنباط ، وتتوافر لديه شروط الاجتهاد ، والخصائص الذاتية والعكسية . . .
للمجتهد ، حتى يتمكن من الاستنباط الصحيح .
وعلى هذا المنوال كان الأئمة المجتهدون .

خامسا : على كل مسلم لم يبلغ درجة الاجتهاد ولم تتوافر لديه سماته ، وادواته ان يقلد احدا
الأئمة المجتهدون الذين شاعت مذاهبهم وعرفت اقوالهم واصولهم وفروعهم ، وتلفت الأمة
اجتهادهم بالقبول ، او ان يستفتى اهل العلم فيما غاب عنه ، او جهله من الاحكام الشرعية ،
سواء في العبادات او المعاملات او الآداب والسلوك وغيرها .

سادسا : ذهب جمهور العلماء الى انه لا يجب على المقلد الالتزام بذهب معين ، بحيث لا يخرج
عنه ابدا ، بل له ان يعمل في مسألة بقول ابي حنيفة - مثلا - وفي اخرى بقول مالك
او الشافعي ، وللقطع بان المستفتين في كل عصر من زمن الصحابة ومن بعدهم كانوا يستفتون
مرة واحدا ومرة اخرى مجتهدا اخر غير ملتزمين مفتيا واحدا ، وذلك في غير المواضع التي
يتمتع فيها التفتيح بين اقوال المذاهب في عمل واحد على ما هو موضح في موضعه فسي
علم اصول الفقه (٢)

(١) الاحكام في اصول الاحكام للآدي ح ٢ ص ١٣٥ - ١٤٦ القسم الثالث مستند الراوي . .
والموافقات للشاطبي ح ٤ ص ٢٤ - ٨٠ ط المكتبة التجارية بالقاهرة تحقيق الشيخ محمد
عبد الله د راز والتقريب والتجسير لابن امير الحاج شرح التحرير للكمال بن الهمام الحنفسي
ح ٢ ص ٣١٠ - ٣١٢ وسهامه شرح الاسنوي نهاية السؤل على منهاج الرسول الى علم الاصول
المطبعة الاميرية بولاق بحصر ١٣١٦ هـ

(٢) من كتاب الفقه الاسلامي سننونه وتطوره لفضيلة الامام الاكبر الشيخ جاد الحق على جاد الحق
شيخ الازهر ط اللجنة العليا للدعوة بالازهر ص ١٤٤ - ١٦٥ . .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتبة الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١٨ -

سابعاً : السراج من آراء العلماء ان أولى الأمر هم اهل الرأي والعلم الذين يمثلون السلطة التشريعية ، وان على الحكام والولاة ان يستبينوا الحكم من عدولهم فيما خفى او فيما لم يرد فيه نص . (١)

ثامناً : ان اختيار الحاكم فرض كفاية اجمع عليه المسلمون منذ عهد الصحابة وهذا يستدعى وجود مرشحين وناخبين ممن توافرت فيهم شروط خاصة وان الشروط والمعايير الموضوعه للناخبين والمرشحين كفيلاً بسد الثغرات التي يشكو منها كثير من الناس ، وان هذا الموضوع لم يرد فيه نص مفصل في القرآن والسنة . ومن ثم جاز الاجتهاد في تقنين نظامه في نطاق قواعد العدل وبالتالي : تعيين الحاكم العادل .

تاسعاً : انه اذا تم اختيار الحاكم كانت هناكبيعة على السمع والطاعة في المعروف في مقابل قيام الحاكم بواجبه نحو جماعة المسلمين .
وانما تمت البيعة بين الشعب والسلطة الحاكمة وجب الالتزام بها وعدم نقضها مادام الحاكم مستقيماً على الجادة .

عاشر : حذرت نصوص الاسلام من التكبؤ من البيعة ، سواء تمت بطريق مباشر او غير مباشر ان عدم المبايعة او نقض اليد منها بدون وجه حق فيه خروج على الجماعة ، وفيه قتله تضعف قوة المجتمع . (٢)

حادي عشر : افادت نصوص السنة وجوب نصره الامام عند الخروج عليه حتى لا تتفرق كلمة المسلمين ، وانه لا يجوز الخروج على الحكام المسلمين بمجرد وقوعه في الذلم او الفسق مالم يغيروا شيئاً من اصول الاسلام .

وانما تمت ولاية الحاكم بدون ترشيح واختبار فقد اتفقت كلمة الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتقلب والجهاد معه ، وان طاعته خير من الخروج عليه ، الا اذا وقع منه كفر صريح فلا تجب طاعته . (٣)

(١) بيان للناس من الازهر الشريف ج ١ ص ١٨٧ ، ١٩٠

(٢) الاحكام السلطانية للماوردي ص ٥

(٣) تفسير القرطبي ج ١ ص ٢٦٩ ، فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ١٦ ص ١١٢

وبيان للناس من الازهر الشريف ج ١ ص ١٩٤

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ١١ -

يرى جمهور الفقهاء أنه إذا تعطل المسجد بتفريق الناس عن البلد لأغرابها أو إذا حُرق المسجد واستثنى الناس عنه وأصبح غير صالح لاداء الشعائر فإنه يبقى مسجداً ابداً الى قيام الساعة ولا يعرود بالاستخفاف عنه الى واقعه إذ لا تزول صفة المسجدية عن أرض المسجد بشئ منه ونقطاً إذا خيف على انقاضه من الفساد ولم ترج عمارته جاز نقلها الى مسجد آخر أو بيعها والاستعانة بشئها في إنشاء مسجد آخر . (١)

لما كان ذلك ، وبناءً على ما تقدم :-

فإن الاجابة على التساؤلات الواردة في الرسالة تكون كما يلي :-

عن السؤال الأول : (من هو صاحب الحق في صياغة القوانين الاسلامية ؟
ان صياغة القوانين الاسلامية في اي بلد اسلامي تتطلب مرحلتين :-

الأولى : ان يعهد امر هذه التشريعات الى لجنة من العلماء المتخصصين في الشريعة الاسلامية ، واولى الخبرة في العلوم الاخرى اللازمة للتشريع من تتوافر فيهم الشروط التي توفاهم للقيام بهذا العمل ، على ان تمت هذه اللجنة مشروعاً يتضمن التقنين المطلوب .

المرحلة الثانية : تقوم هذه اللجنة بعرض هذا المشروع على السلطة التشريعية طبقاً للاجراءات الدستورية حتى تصدر التشريعات في صياغة قانونية ملزمة ، وبالاجراءات المشروعة في الدولة .

عن السؤال الثاني : ما هو المذهب الواجب التطبيق ؟

على اللجنة المختصة باعداد مشروع تقنين مستمد من الشريعة الاسلامية ان تراعى المذهب المعمول به لدى الغالبية المطلقة في اي بلد اسلامي تيسيراً على المسلمين ، وحرصاً على استقرار الاوضاع التي لا تتناقض مع نص ظاهر من القرآن او السنة .
فاذا كان المذهب الحنفي هو المعمول به لدى الغالبية المطلقة في باكستان - كما ورد

(١) اعلام المساجد في احكام المساجد للزركشي النافعي ص ٣٤٥ ط المجلس الاعلى للشئون الاسلامية والتاج والاكليل شرح مختصر خليل فقه مالكى ج ٦ ص ٤١ وما بعدها .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهري
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٢٠ -

بالسؤال - فمن الصلحة ان تلزم به الجماعة وتأخذ ، وترجع اليه في شئونها التشريعية ويجوز ان تأخذ اللجنة في بعض الاحوال بقول او اقوال في المذاهب الاسلامية الاخرى - كالمذهب الجعفري المشار اليه في السؤال - شريطة ان يكون في موضع اجتهاد ، والا يتعارض ذلك مع النصوص الشرعية ، او يخالف القواعد العامة في الشريعة الاسلامية .

عن السؤال الثالث : ماهو الصنيع والمأخذ للتشريع الاسلامي .

انه - كما سبق القول - بان مصادر التشريع اربعة : منها اثنان لاخلاف عليهما في الامة وهما القرآن والسنة ، كما اتفق جمهور الفقهاء على حجية اثنين منها ، هما الاجماع ، والقياس . كما اختلف الفقهاء في حجية بعض المصادر الاخرى التي سلف ذكرها .

ومن بين المصادر والمختلف في حجيتها قول الصحابي - الوارد في السؤال - وفي مقدمة الصحابة آل البيت ، والخلفاء الاربعة رضي الله عنهم .

وقد اتفق العلماء على ان مذهب الصحابي او قوله او فتواه في مواضع الاجتهاد لا يكون حجة على غيره من الصحابة المجتهدين .

اما حجيته على التابعين ومن بعدهم من المجتهدين فقد اختلفت كلمة الفقهاء كما يلي :

فريق يرى انه ليس بحجة ، وهو احد تولى الامام الشافعي ، واحدى الروايتين عن الامام احمد ومن تبعهما من العلماء .

بينما يرى الفريق الاخر انه حجة مقدمة على القياس ، وهو قول الامام مالك ، واحد تولى الشافعي ، واحدى الروايتين عن احمد بن حنبل ، وبعض علماء الحنفية .

كما اختلفت كلمة الفقهاء فيما اجتهد فيه الصحابة ، واقتوا فيه فرادى ، واختلفت فتاويهم بشأنه فيرى الامامان ابو حنيفة ومالك ان للمجتهد ان يأخذ بفتوى اى واحد من الصحابة ولا يتقيد بواحدة معينة ، ولا يخرج عنها جميعا .

بينما يرى الامام الشافعي ومن تبعه ان فتاوى الصحابة فيما يدرك بالرأى ليست حجة للمجتهد

ان يأخذ بأية فتوى من فتاوى الصحابة الفردية ، وله ان يفتى بخلافها .

اما مالا يدرك بالرأى فانه يأخذ حكم المرفوع الى رسول الله صلى الله عليه وسلم .

كما ان ما يطلق عليه (سنة الصحابي) او قوله (من السنة كذا) .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزم
مكتب الإمام الأكبر
شيخ الأزهر

- ٢١ -

فالمختار ان ذلك محمول على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم .
وعلى ولاية الاموال الذين يعهد إليهم باعتداء هذه القوانين مراعاة لمصداق الشريعة
ومصلحة الامة فيما لا يجدون له دليلا خاصا من الكتاب ، او السنة ، او الاجماع ، او القياس .
وان ياخذوا بمبادئ العرف والاستحسان والاستصحاب والمصالح المرسلة وغيرها كل في موضعه
والشروطه حسبما هو وارد في كتب اصول الفقه .
عن السؤال الرابع :

ما هو موقف الشعب من الحكومة الشرعية المشيئة ، والحكومة غير المنتخبة ؟
اذا تمت مبايعة الحاكم بطريق مباشر او غير مباشر من طرق الانتخاب الحرجب الالتزام بها
وعدم نقضها او نفض السيد منها ، مادام الحاكم مستقيما على الجادة لان في ذلك خروجا على
الجماعة ، وفيه فتنة تضعف قوة المجتمع المسلم .
كما لا يجوز الخروج على الحاكم بمجرد وقوعه في الظلم او الفسق ، مالم يخير شيئا من قواد
الاسلام . اما اذا تمت سيطرة الحاكم المسلم على السلطة بدون اختيار او ترشيح او بدون انتخاب
حر - كما في السؤال فقد اتفقت كلمة الفقهاء على رجوب طاعة هذا الحاكم والجهاد معه ، وان
طاعته خير من التمرج عليه ، لما في ذلك من حقن الدماء وقمع الفتنة ، واستقرار الامن والامان
كما فعل كثير من الصحابة ، واشير الى بعضه فيما سبق .
ويجب على المختصين من افراد الشعب عرض الامر على الحاكم ومناصحته بالحسن وبالبيت
بتطبيق الشريعة الاسلامية ، فان لم يمثل فعلهم بالصبر والاحتمال والامتناع عن بث الفرسنة
او شق عصا الطاعة حرصا على وحدة الامة واتحادها .

خامسا : حكم المسجد اذا وقع تحت سيطرة غير المسلمين .

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزم
مكتبة الإمام الأكيبة
شيخ الأزهر

- ٢٢ -

قال الله تعالى في سورة الحج (١) ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرون الله من ينصروه ان الله لغوى عزيز) .

ومقتضى هذه الآية الدرية انه لا يجوز نقض المسجدة التي تمت إلا للضرورة ومن هنا كان قول جمهور الفقهاء ان صفة المسجدة لا تنزل عن المكان الذي اتخذ مسجدا .

ومن ثم فاذا اغتصب المسجد وصار الى يد غير المسلمين وجب الدفاع عنه واسترداده متى تهيأت الظروف ، وكان ذلك في مكتة المسلمين ، دون حدوث ضرر اشد كشوب حرب اهلية تضر بالدولة .

وعلى ذلك فان المساجد التي اغتصبها الغابانيون والسيخ واجب على المسلمين استردادها ، ان لم تنزل عنها صفة المسجدة ، والدفاع عن المسجد من واجب الأمة بنص هذه الآية الدرية .

وقد وعد الله ان ينصر من ينصرونه ، واسترداد المسجد للصلاة فيه وذكر الله به نصر دينه واعلاء كلمته مع مراعاة ما تقدم من قدرة المسلمين وتمكنهم وضمان عدم حدوث ضرر اشد .

والله سبحانه وتعالى اعلم . .

شيخ الأزهر
عبد الرحمن
جاء الحق على جاد الحق



٢٢ من ربيع الأول ١٤٠٩ هـ

٠٢ من نوفمبر ١٩٨٨ م

ح :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَقَدْ كَرِهَ اللَّهُ لِي أَنْ كُنتُ مُشْرِكًا
وَلَمْ يَكُنْ لِي شِرْكٌ وَأَنَا كَافِرٌ
كَبِيرٌ

مجلس ۱۹

۷ سوال اللہ

جسے بدوانہ ہونے سے پہلے تحریر کیا۔

فَارْتَقُوا اللَّهَ لِحَدِيثِكُمْ
وَأَنْتُمْ كَارِهِونَ

القرآن الحكيم

العملن: ۱۲۳

البد و جنرل سٹور
بازار سیٹھی کوہر والا
پستان فرن ۶۴۶۳

ترجمہ: اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بد رکھی لائی میں اور تم کہہ دو تھے سو دے تم جو اللہ نے تم کو احسان کیا۔
ترجمہ: تم لوگو! اللہ کے ساتھ رہو اور تمہاری باتوں سے بچو۔

دینی و عصری علوم کا حسین امتزاج ○ اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں دینی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور
 رجال کار کی فراہمی ○ علماء کرام کو جدید زبانوں اور علوم سے آراستہ کرنے ○ اسلامی تعلیم و تحقیق
 کے نئے تقاضوں کی تکمیل اور جدید نظریات و افکار کی طرف توجہ اسلامیکو درپیش چیلنج کا سامنا کرنے کیلئے

حفظ القرآن بعلمی منصوبہ

شاہ ولی اللہ یونیورسٹی گوجرانوالہ

جس کے لیے جی ٹی روڈ گوجرانوالہ کے قریب موضع اداوہ کے ساتھ ۲۲- ایکڑ زمین خریدی جا چکی ہے۔
 دس کروڑ روپے کے اخراجات کے ساتھ دس سال میں تعمیر مکمل کرنے کا پروگرام ہے۔

مولانا زاہد الرشیدی کی سربراہی میں ممتاز علماء کرام اور پروفیسر صاحبان پر مشتمل تعلیمی کمیٹی نے نصاب و نظام کی ترتیب تدوین کا کام
 کم و بیش مکمل کر لیا ہے اور آئندہ تعلیمی سال سے انشاء اللہ العزیز بعض کلاسوں کا باقاعدہ آغاز کیا جا رہا ہے۔
 ابتدائی تعمیری کام کا آغاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر حضرت مولانا عبدالحکیم سواتی اور دیگر بزرگان کرام
 کی پرحسوس دعا کے ساتھ ہو چکا ہے۔

یونیورسٹی کے پہلے تعلیمی بلاک کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے اہم کبھیضیۃ الشیخ عبد اللہ بن البیہل سے گوجرانوالہ
 تشریف آوری کی باضابطہ درخواست کی گئی ہے۔ امید ہے کہ ان کا وقت ملنے پر نومبر کے دوران سنگ بنیاد کی
 باقاعدہ تقریب منعقد کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

اصحاب ثروت سے اپیل ہے کہ نئی نسل کے بہتر مستقبل کے لیے اس
 کارخیز میں بھی پورا حصہ لیں اور نیشنل بینک آف پاکستان سٹی بلانچ جی ٹی روڈ
 گوجرانوالہ کے اکاؤنٹ نمبر ۱۴۵۸ میں عطیات جمع کرا کے
 اس عظیم تعلیمی منصوبہ کی تعمیر و تکمیل میں عملاً شریک ہوں

دیگر اراکین مجلس منتظمہ شاہ ولی اللہ یونیورسٹی گوجرانوالہ

رابع آبی: البلال ایڈیٹرز نزد چوٹی شیخ پورہ روڈ گوجرانوالہ فون: ۵۸۶۸

حافظ شیخ بشیر احمد سپرست

احسان میاں محمد رفیق صدر

احسان شیخ محمد شرف سیکریٹری جنرل

منجابر